يَآيُّهَا الَّذِيْنَ أمَنُوا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الاَمْرِ مِنْكُمْ

تَقْلِیْدِ اَئِمَّہ

(ائمہ اربعہ کے مختصر حالات، نیز تقلید کی اہمیت
وضرورت پر ایک جامع وعظیم تالیف)

مؤلف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی

باہتمام
محمد نجیب سنبھلی قاسمی

Mohammad Najeeb Qasmi
www.najeebqasmi.com

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اَطِيْعُو اللّٰهَ وَاَطِيْعُو الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

تَقْلِيْدِ اَئِمّہ

اور مقام ابو حنیفہؒ

تقلید کی اہمیت وضرورت پر ایک جامع وعظیم تالیف

مؤلف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ

باہتمام:

محمد نجیب سنبھلی قاسمی

Mohammad Najeeb Qasmi

www.najeebqasmi.com

نام کتاب: **تَقْلِیْدِ اَئِمّہ**

مصنف: شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلیؒ

دسمبر۲۰۱۳ء

ایک اہل خیر کے تعاون سے مکمل کتاب کی کمپیوٹر سے دوبارہ کتابت کرا کر الیکٹرونک کتاب تیار کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کار خیر کو قبول فرما کر اُن کے والدین مرحومین (محمد خورشید علی اور حدیثہ بیگم) کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔ثم آمین۔

باہتمام:
محمد نجیب سنبھلی قاسمی

www.najeebqasmi.com
mnajeebqasmi@gmail.com

فہرست مضامین

تاثرات حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مرحوم کی سرگرمیوں اور صلاحیتوں کا اصل میدان اگر چہ تقریر و خطابت تھا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اس میدان کے نامور پہلوان تھے، لیکن عمر کے آخری حصہ میں تصنیف و تالیف کی وادی پُر خار میں داخل ہو گئے تھے اور وقت کا بڑا حصہ اس خدمت میں صرف کرنے لگے تھے "رسالہ تقلید ائمہ" بھی مرحوم کے اسی ذوق کی ایک کڑی ہے، مرحوم اس دنیا میں ہوتے اور از راہِ تعلق اخلاص مجھ سے مشورہ کرتے تو ان سے بے تکلف عرض کرتا کہ زمانے کے تقاضے بدل گئے ہیں اور خدمتِ علم دین کے بہت سے رخ ہیں، فروعی مسائل کو چھوڑ کر اصول مذہب کی خدمت کیجئے اور اپنی صلاحیتوں کو اس میں لگا دیجئے، لیکن اب وہ ہمارے مشوروں سے بے نیاز ہو چکے ہیں، ان کی روح "تقلید ائمہ" سے خوش ہوگی اور ہم ان کی روح کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک مسئلہ تقلید اور اتباع ائمہ ہدیٰ کا تعلق ہے سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک قدرتی ناگزیر ضرورت ہے جو ہمارے رسمی دلائل سے بے نیاز ہے، موقع کی مناسبت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں، اس سے مسئلہ تقلید ائمہ پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے فرماتے ہیں:

"میں نے ایک جگہ بیان کیا تھا کہ ہم علی الاطلاق غیر مقلدین کو برا نہیں کہتے ہیں، دیکھئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود مقلد نہ تھے مگر ہم ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں، لیکن اس زمانے کے اکثر غیر مقلدین سے بے شک ہم کو شکایت ہے، ان میں عموماً الا ماشاءاللہ دو خصلتیں بہت بری ہیں، ایک ائمہ کے ساتھ بدگمانی، دوسرے ان کی شان میں بدزبانی، باقی ہم نفس غیر مقلدی کو حرام نہیں کہتے، غیر مقلدی بھی ایک مسلک ہے، لیکن اس وقت کے مفاسد کو دیکھ کر ہم کو پسند نہیں بہت سی چیزیں جائز ہوتی ہیں، مگر بعض طبائع کے نزدیک ناپسند ہوتی ہیں مثلاً اوجھڑی شرعاً جائز ہے، مگر نفیس مزاج و لطیف الطبع لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔" (اسعد الابرار ملفوظات ۱۷ دسمبر ۱۹۳۸ء)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی چیز نہ تھی سوائے اللہ رسول کے، اس لئے حضرت کے یہاں ہر قسم کے لوگ تھے، غیر مقلد بھی وہابی بھی، بدعتی بھی اور سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے اختلافیات میں کسی سے کوئی شرط نہ تھی، فرمایا کرتے تھے میاں سب ٹھیک ہو جائیں گے، آنے دو اور یہ حالت خاص حضرت کے شایان شان تھی، دوسروں کو ایسا مناسب نہیں۔ ایک غیر مقلد کو بیعت فرمایا، دو تین دن بعد علم ہوا کہ انہوں نے رفع الیدین اور آمین بالجہر سب چھوڑ دی تو خوش نہیں ہوئے اور فرمایا بلاؤ، وہ آئے تو فرمایا اور اگر تمہاری رائے ہی بدل گئی ہو تو خیر ورنہ اگر میری وجہ سے ہوا ہو تو ترکِ سنت کا وبال میں اپنے ذمہ نہیں لیتا، یہ بھی سنت ہے، وہ بھی سنت ہے۔ سبحان اللہ! حدود کے اندر کیسا توسع تھا، اگر ہر شخص توسع کرے تو وہ حدود ہی سے نکل جائے۔" (جمیل الکلام ص ۷، ملفوظات ۲۴)

مجھے واقعہ یہ ہے طبعی طور پر اس طرح کے مباحث سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے، شروع سے یہی افتاد طبع ہے، ایسی حالت میں مرحوم مؤلف کے دلائل و مباحث کا تجزیہ بھی کیسے کیا جائے اور ان کی محنت کی داد کن الفاظ میں دی جائے، ضرورت اس کی ہے کہ اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہ کر وسعت و رواداری کا جذبہ عام کیا جائے، علمائے راسخین کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے۔

عتیق الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی ۶

۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۲/ نومبر ۱۹۷۷ء

پیش لفظ

از: مولانا رشید الوحیدی القاسمی

ناظم شعبۂ دینیات جا معہ ملیہ اسلا میہ دھلی

شیخ عبدالوہاب نجدی، قاضی شوکانی، ابوداؤدظاہری اورابن حزم کے اثرات سے متاثر ہوکرایک چھوٹی سی جماعت برابرتقلید کے خلاف مصروف کاررہی ہے اوراس جرأت مندانہ گستاخی کا اعلان کرتی رہی ہے کہ جلیل القدرائمہ کرام کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کووہ لوگ زیادہ سمجھتے ہیں، لہٰذاان ائمہ کی بات نہ مانی جائے، ان کے عقل وفہم کے مقابلہ میں اپنے عقل وفہم (یاکم عقلی وکم فہمی) پر ہرشخص بھروسہ کرکے قرآن وحدیث سے دین کوسمجھنے کی کوشش کرے ان کی اس ابلہ فریبی اورتقلید کی حقانیت کی ایک کھلی دلیل تو یہی ہے کہ ہرزمانہ میں سواداعظم ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی خصوصاًامام اعظم کی تقلید کانہ صرف قائل رہاہے بلکہ اس پرعامل بھی ہے۔

علمی لحاظ سے تقلید کے ثبوت کے لیے قدیم وجدید مستندحوالوں کی کمی نہیں ہے، اسی طرح عدم تقلید کے خلاف نہ صرف علماءمقلدین بلکہ ائمہ غیرمقلدین نے بھی عقلاًونقلاًبہت کچھ دلائل جمع کردیئے ہیں، ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ کوئی وسیع المطالعہ صاحبِ علم وتحقیق ان خزانوں کویکجا کرکے پیش کرسکے، تاکہ لوگوں کے سامنے مسئلہ کا ہرپہلو واضح ہوجائے۔ زیرنظرتصنیف پرشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مدظلہ کاوہ تحقیقی اورعالمانہ کارنامہ ہے جس میں یہ خوبی بدرجہ اتم نظرآتی ہے۔

غیرمقلدین حضرات ہندوستان میں عدم تقلید کی اشاعت اوراس نظریہ کے قیام کے جہاں اوراسباب بتاتے ہیں ایک سبب یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نہ صرف خودغیرمقلد تھے بلکہ اس تحریک کے حامی اورمبلغ بھی تھے۔(دیکھو ترجمان دہلی، ماہ جولائی) اس کتاب میں آپ کواس غلطی اورغلط فہمی کی قلعی کھلتی ہوئی ملے گی کہ یہ شاہ صاحب پرکس قدرعظیم بہتان اوران کی خدمتِ حدیث کوعدم تقلید کا نام دیا گیاہے، بات صرف اتنی سی ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں لوگ فقہ کی طرف زیادہ متوجہ تھے، شاہ صاحب نے اس دورمیں احادیث کورائج کرنا چاہا، اس کا یہ مطلب ہرگزنہیں کہ آپ نے فقہ ائمہ یاتقلید کاردفرمایا۔

مولانا امرتسری وغیرہم کی تحریروں اورتجربوں نے ثابت کردکھایاہے کہ عدم تقلیدامت کی لیے کس قدرفتنہ اورتقلید کس قدرضروری ہے، اس طرح موافق ومخالف علماء کے حوالے ودلائل پیش کرکے مسئلہ کواوربھی واضح کردیاہے اوراس قدرمعلومات سے فاضل مصنف کا تجربہ بھی سامنے آجاتاہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی مدظلہ ایک طرف قرآن وحدیث کے علوم پرکامل عبوررکھتے ہیں، آپ کی تصنیف ''اخبارالتنزیل'' قرآنی مطالعہ کے صرف ایک پہلو کی تصویرہے، علم تصوف کے نوک وپلک کوصرف تلمذ کے طورپرنہیں سمجھاہے، بلکہ اس میدان کے امیرکارواں، شیخ طریقت حضرت مولاناسید حسین احمد صاحب مدنی کے معتمداورخلیفہ بھی ہیں، آپ کوتصوف کی تاریخ پربھی اچھاملکہ ہے، آپ کی کتاب ''مقامات تصوف'' قابل مطالعہ ہے۔

آپ علماء میں مجاہدین کے صف میں آتے ہیں، ہندوستان کے افق سیاست پرسالہاسال نمایاں رہے، جیل کاٹی، پولیس کی سختیاں برداشت کیں اوریہ سب اپنے ملک پرغیروں کے تسلط کے خلاف کیااورجب اس ''غیر'' کابوریابستربندھ گیا، ہندوستان آزادہوگیا، جنگِ

آزادی کے انعام کا وقت آیا تو یہ کہہ کر کہ ’’میرا انعام یہی ہے کہ میرا ملک آزاد ہے‘‘ آپ سیاست سے کنارہ کش ہو کر پھر تعلیم وتصنیف کے دامن میں واپس آ گئے اور برابر اس مبارک مشغلہ میں مصروف ہیں، ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے دانشکدوں میں قرآن وحدیث کا درس دیا، اپنے بزرگوں کے قدم بقدم حدیث اور قرآن کی مخلصانہ خدمت کے ساتھ فقہ کی حدیث سے وابستہ رہے جس کی ایک مثال یہ تصنیف ہے، اس طرح در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق کی ایک تصویر مولانا سنبھلی کی زندگی ہے، آپ کا مطالعہ وسیع، گہرائی وگیرائی کا حامل، اپنے موضوع سے متعلق جدید وقدیم تمام معلومات پر نظر ہے۔

نیز مسائل کے بارے میں متقدمین ومتاخرین کی رائے اور حوالے مع کتاب، صفحہ اور مصنف درج فرماتے ہیں، زیر نظر کتاب اس دعوے کا بین ثبوت ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاک دور میں اور پھر بتدریج تابعین، تبع تابعین، محدثین کرام، ائمہ عظام کے زمانوں میں جس طرح دلیل اور ثبوت کے ساتھ تقلید کو ثابت کیا گیا ہے اس کے بعد اگر ہمارے بھائی غیر مقلدین حضرات ہٹ دھرمی، کٹ حجتی اور ضد کو چھوڑ کر دیانت داری، سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے عقیدہ پر جمے رہیں۔

تقلید کے اقسام مشروع وغیر مشروع، شخصی وغیر شخصی کو تاریخ وار بیان کر کے واضح کیا گیا ہے کہ کس زمانہ تک کس قسم کی تقلید رائج رہی، پھر دوسرا رجحان کیوں اور کب شروع ہوا، اس تفصیل کو پڑھ کر پوری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

کتاب کا انداز بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے، کہیں کہیں منطقی پیرایۂ بیان ہے، ذیلی عنوانات کی ترتیب بھی ضابطہ میں بہت مناسب ہے، مثلاً شروع میں تقلید کا مقصد، حقیقت وضرورت جو علم کا موضوع ہے رکھا، اس کے بعد چونکہ غیر مقلدین حضرات کا اصل نشانہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں اور ان پر عدم حدیث کا الزام ہے، اس لئے امام صاحب کی عظمت سے بحث کی گئی ہے اور پھر ترتیب وار ساری کتاب ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے اور آخر میں شبہات پھر ان کے جوابات دے کر مسئلہ کو اور بھی منقح کر دیا ہے۔

بڑے بڑے محدثین کرامؒ جن کی ایک بڑی فہرست مولانا سنبھلی صاحب نے دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرات سبھی کسی نہ کسی امام کے مقلد اور ان کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئے ہیں تو پھر خود کو اہل حدیث کہنے والے کیا ان محدثین کرام سے بڑھ گئے ہیں، پھر ان میں ائمہ اربعہ سے اس قدر بغض وعناد کیوں ہے۔

غرض یہ کتاب بہت سے شبہات کا شافی علاج اور بہت سے غیر مقلدین حضرات کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا عمدہ ازالہ ہے بشرطیکہ غیر جانبدار ہو کر اخلاص سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

ایسی علمی کتاب پر قلم اٹھانا مجھ جیسے طالب علم کے لیے مشکل کام تھا، مگر فاضل مصنف کے حکم کی تعمیل کے طور پر متعدد بار کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھا اور اس بڑی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مزید مطالعہ کر کے ڈرتے ڈرتے یہ تاثرات پیش کر دیئے ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ کتاب کا مطالعہ نہایت خلوص اور غیر جانبداری سے کیا ہے، مطالعہ کے وقت نہ حضرت مولانا سنبھلی صاحب مدظلہ سے تعلق وعقیدت میری رائے پر اثر انداز ہوئی نہ کسی طرح کا خاص رجحان ذہن پر مستولی رہا، اس کے باوجود پوری کتاب کو ختم کرتے کرتے تقلید کی ضرورت کو ماننا پڑا اور بقول فاضل مصنف ’’آزادی ذہن اور جدیدیت عام تقلید کی متقاضی ہے‘‘ اس خیال پر ایمان لانا پڑا، اسی طرح صرف ایک جگہ کے علاوہ کتاب کے انداز بیان اور طرزِ تفہیم پر کہیں کوئی کجلک پن ظاہر نہیں ہوا اور صفحہ ۵۷ پر یہ جملہ ہے ’’تیرہویں صدی ہجری میں جا بجا کچھ ایسے لوگوں نے نشو ونما

پائی جوائمہ اربعہ کی تقلید کو بے اصل سمجھنے لگے''اس جملہ کے سیاق وسباق کو بار بار دیکھنے کے باوجود''تقلید کو بے اصل سمجھنے لگے''اس جملہ پر جو ذہن میں''کیوں ایسا ہوا'' کا سوال پیدا ہوتا ہے اس کا جواب نہیں ملا۔

باقی ساری کتاب آئینہ کی طرح واضح اور روشن ہے۔

شاید اللہ پاک ان چند سطور کے بدلہ میں احقاق حق کے اس جہاد عظیم میں مجھے بھی شریک فرمائے،ائمہ کرام اور محدثین عظام کی روح مجھ سے راضی ہو جائے کہ وہی وسیلہ ہے صحابہ کرامؓ وفخر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا، کیوں کہ جس سے اللہ کا رسول راضی ہو اس سے اللہ راضی ہو گیا۔

رشید الوحیدی
جامعہ کالج جامعہ اسلامیہ، نئی دہلی
۱۷/اگست ۱۹۷۵ء

مقدمہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی ھدانا للدین القویم، وفصل لنا فی کتا بہ احکا م التحلیل والتحریم، وبعث الیہ رسولاً یزکینا ویعلمنا الحکمۃ والکتاب ویذبنا عن الخطاء و یھدینا الی الصو اب.

اللّٰھم فصل وسلم علیہ صلوٰۃً تجا ذی عناء ہ ، وتکا فی غناء ہ ، وعلیٰ اھل بیتہ وصحبہ وائمۃ دینہ الذین ھم مصابیح الھدیٰ وینابیع التقیٰ، فمن اقتدیٰ بایھم علیٰ اختلاف مسالکھم اھتدیٰ، ومن اقتفیٰ رایَ نفسہ واتبع ھواہ فقد غویٰ. امّا بعد

ائمہ دین اور اساطین امت کی تقلید یعنی مسائل جزئیہ اجتہادیہ میں ان پر اعتماد کر کے بغیر طلبِ دلیل ان کے قول کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا مذہبِ اسلام کا نہایت اہم اور ضروری مسئلہ ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک اور آغازِ اسلام سے اس کی ضرورت اس درجہ تسلیم کی گئی کہ زمانۂ نبوت سے دوسری صدی کے اواخر تک تقلید بصورتِ شخصی عام مسلمانوں میں رائج ہو چکی تھی اور تیسری صدی کے آتے آتے تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں کا رواج ہو چکا تھا اور پھر چوتھی صدی کے اخیر میں تمام مسلمانوں میں تقلید شخصی پر اتفاق اور اجماع ہو گیا اور آج تک اس کا رواج امتِ محمدیہ میں برابر بدستور چلا آ رہا ہے۔

فرقہ اہل حدیث کی طرف سے اس سنتِ قدیمہ کا انکار کیا جاتا ہے اور بھولے بھالے ناواقف مسلمانوں کو ائمہ مجتہدین کی تقلید سے روک کر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، نیز تقلید ائمہ پر طرح طرح کے لچر اور بودے اعتراضات کر کے عام مسلمانوں کو اپنے دامن فریب میں پھنسانے کی سعی کی جاتی ہے، ساتھ ساتھ ہی ائمہ ہدیٰ کی شان میں عموماً اور امام ابوحنیفہ کی شان میں خصوصاً انتہائی گستاخانہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ فرقہ اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحّد کے خوشنما القاب سے مزین کر کے آواز بلند کرتا ہے کہ احناف حدیثِ نبوی سے محروم اور توحید سے خالی ہیں، حالانکہ ائمہ کرام اپنے اپنے زمانہ میں آفتاب ہائے ہدایت وتقویٰ اور علوم دینیہ، حدیث وتفسیر اور فقہ وکلام کے روشن چراغ اور انابت الی اللہ کے درخشاں ستارے تھے اور ان ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید شخصی پر چوتھی صدی کے بعد سے تمام امتِ مسلمہ کا اجماع اور اتفاق رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کو غیر مقلدین حضرات بھی اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں اور جن کے بارے میں جناب نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے اپنی کتاب ’’تقصار‘‘ صفحہ ۱۰۷ میں مجتہد العصر اور مجدد دین لکھا ہے فرماتے ہیں:

ھذہ المذاھب المدونۃ المحررۃ قد اجتمعت الامۃ او من یعتد بہ منھا علی جواز تقلیدھا الی زماننا ھذا ، وفی ذلک من المصالح ما لا یخفی ، لا سیما فی ھذہ الا یا م التی قصرت فیھا الھمم جدا واشربت النفوس الھوی واعجب کل ذی رائ برایہ وما ذھب الیہ ابن حزم ”ان التقلید حرام“ فغلط. (حجۃ اللّٰہ البالغہ ، ص ۱۲۳ ، ج ۱ ، مصری)

تمام امت محمدیہ یا اس کے معتد بہ حضرات کا آج تک اس پر اتفاق اور اجماع رہا ہے کہ ان مذاہب اربعہ مدونہ کی تقلید کرنا درست اور مبنی بر مصالح ہے، خصوصاً فی زمانہ کہ لوگوں کی ہمتیں قاصر ہوگئی ہیں اور رگ وپے میں ہوائے نفسانی بھر گئی ہیں اور ہر شخص کو اپنی رائے اچھی معلوم ہوتی ہے اور ابن حزم کا یہ زعم اور خیال کہ ’’تقلید حرام ہے‘‘ غلط ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اعلم انّ فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض كلها مفسدة كبيرة. (عقد الجيد ۳۹)

جاننا چاہیے کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اوران سب سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''صراط مستقیم'' میں فرماتے ہیں:

''دراعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج درتمام اہل اسلام است بہتر وخوب است''

یعنی اعمال کے سلسلہ میں چاروں مذاہب کی پیروی جوتمام مسلمانوں میں رائج ہے نہایت عمدہ اور پسندیدہ ہے۔

مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمۃ ''مائة مسائل'' میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ہرگز مقلدِایشاں رابدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلیدِحدیث شریف است باعتبار ظاہر وباطن''

یعنی ائمہ اربعہ کے مقلدین کو ہرگز بدعتی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ان ائمہ کی تقلید ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے حدیث شریف کی تقلید ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دین اسلام نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قرآن مجید اور حدیث شریف کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس کی تابعداری اور حفاظت ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے اور اس فرض کی ادائیگی کے لیے تمام ممکن اور مستحسن ذرائع کا حاصل کرنا ضروری اور فریضۂ عبودیت ہے، لہٰذ شر وفتن کے اس دور میں اور الحاد وزندقہ کے اس زمانہ میں مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں خودرائی کو چھوڑ کر ائمہ مجتہدین کی تقلید اور تابعداری کرنے میں جس قدر دین کی حفاظت اور عمل کی پابندی ہے ترک تقلید میں اس کا پاسنگ بھی نہیں۔

دراصل ائمہ مجتہدین کی تقلید کا مقصد ہی دین کی حفاظت اور قرآن وحدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے، حضرت شاہ صاحب کے قول کے بموجب تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں اور ترکِ تقلید میں بے انتہا مفاسد اور خرابیاں ہیں، چنانچہ غیر مقلدین علماء میں سے بھی بعض کو اس کا زبردست احساس ہوا ہے۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم جو کہ غیر مقلدین کے نہایت جوشیلے امام اور ترک تقلید کے زوردار حامی تھے اور ہندوستان میں غیر مقلدین کی نشر واشاعت میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے وہ اپنے رسالہ ''اشاعت السنۃ'' نمبر۱۰ جلد۱۱ کے صفحہ۲۱۱ میں لکھتے ہیں کہ ''غیر مجتہد مطلق کے لیے مجتہدین سے فرار وانکار کی گنجائش نہیں'' اور جلد۲ صفحہ۵۱، ۵۲، ۵۳ میں لکھتے ہیں کہ ۲۵ ربرس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو آزادی کا ایک ادنی کرشمہ ہے، ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز وروزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود وشراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحتِ دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں۔

کفر وارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دین داروں کے بے دین ہوجانے کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہی کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں''۔

اسی طرح فرقہ اہل حدیث کے مجدد جناب نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

فقد نبهت فی هذا الزمان فرقة ذات سمعة ورياء تدعی انفسها علم الحديث والقرآن والعمل والعرفان. (الحطه

فی ذکر صحاح الستہ ، ص ٦٧-٦٨)

یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند، ریا کار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے اپنے لیے قرآن وحدیث پر علم وعمل کا مدعی ہے حالانکہ اس کو علم وعمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔

اسی مضمون کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فیا للعجب این یسمّون انفسھم الموحدین المخلصین وغیرھم بالمشرکین وھم اشد الناس تعصباً غلوّا فی الدین.

یعنی بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکر خود کو خالص موحد کہتے ہیں اور مقلدین کو (تقلیدِ ائمہ کی وجہ سے) مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ غیر مقلدین خود تو تمام لوگوں میں سخت متعصب اور غالی ہیں۔۔۔۔۔پھر اسی مضمون کے ختم پر لکھتے ہیں:

فما ھذا دین الا فتنة فی الارض وفساد کبیر

یعنی یہ طریقہ (جو غیر مقلدین کا ہے) کوئی دین نہیں، یہ تو زمین میں فتنہ اور فسادِ عظیم ہے۔

قاضی عبدالواحد صاحب خان پوری مرحوم (اہل حدیث) اپنی کتاب ''التوحید والسنة فی رد اھل الالحاد والبدعة(الملقب بہ)اظھار کفر ثناء اللہ بجمیع اصول اٰمنت باللہ'' کے صفحہ ٢٦٢ میں فرماتے ہیں:

پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین، مخالفین سلفِ صالحین جو حقیقت ما جاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ مفت میں شیعہ وروافض کے وارث وخلیفہ بنے ہوئے ہیں، جس طرح شیعہ ملاحدہ وزوارقہ نیز منافقین کی حمایت کے لیے باب ودہلیز اور مدخل رہے ان کا حال بھی بالکل اہل تشنیع جیسا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؓ اور حضرت حسنینؓ کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر جس قدر الحاد وزندقہ پھیلائیں کچھ پروا نہیں اسی طرح ان جاہل، بدعتی اور کاذب اہل حدیثوں میں ایک مرتبہ رفع یدین کرلیں، تقلید کا رد کردیں، اسلاف کی توہین کرلیں، نیز امام ابوحنیفہ کی جن کی امامت فقہ کے اندر اجماع سے ثابت ہے اہانت کردیں اور پھر جس قدر کفر، بداعتقادی اور الحاد وزندقہ ان میں پھیلا دیں وہ بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ذرا چیں بجبیں نہیں ہوتے اور علماء وفقہاء اہل سنت چاہے ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ان کی بات بالکل نہیں سنتے۔ سبحان اللہ اشبہ اللیل بالبارحة! اور وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ وہ مذہب وعقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف اور متکبر ہو گئے ہیں۔ فافھم وتدبر

یہ بات نہایت صاف اور واضح ہے اور ہر ایک خاص وعام کو معلوم ہے کہ دنیا کے کسی بھی علم وفن میں علماء اور ماہرین کی تقلید لازماً کی جاتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، لیکن شیطان نے اہل اسلام کے اتحاد کی قوت کو پارہ پارہ کرنے اور ان میں زیادہ سے زیادہ تفرقہ پیدا کرنے کے لیے جو طرح طرح کے حربے اختیار کر رکھے ہیں ان میں ایک حربہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں ہی کے ایک گروہ کو تقلید کی مخالفت اور تقلید کرنے والوں کی مذمت پر اکسائے اور جس چیز کے بغیر دنیا میں چارہ ہی نہیں ہے اسی کو ایک برائی، ایک گمراہی اور ایک غلطی قرار دے کر یہ گروہ نفرت اور اختلاف کی خلیج کو وسعت دے۔

ہندوستان کے بعض علاقوں میں تو یہ افسوسناک فتنہ بہت ہی زیادہ ہے اور غیر مقلد حضرات یہاں مقلدوں کے خلاف عموماً اور احناف کے خلاف خصوصاً نہایت متشددانہ رویہ اور بہت سخت روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس موضوع پر ایک رسالہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے، تا کہ غیر مقلدوں کے تمام اعتراضات کا مدلل جواب ہو جائے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو طعن و تشنیع اور جرح کی جاتی ہے اس کی حقیقت منکشف ہو جائے اور عام مسلمان ان غیر مقلدین کے مغالطہ اور دھوکہ سے محفوظ رہیں۔

ہم اس مختصر رسالہ میں اولاً تقلید کا مقصد، اس کی حقیقت اور ضرورت پر روشنی ڈالیں گے اور پھر امام اعظم ابوحنیفہ کے علمی و عملی فضائل اور ان کی خصوصیات کو بیان کریں گے اور اخیر میں امام صاحب پر مخالفین کی جانب سے جو جرحیں نقل کی جاتی ہیں ان کا مفصل و مدلل جواب لکھیں گے۔

اللہ تعالی ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے لیے مفید اور رہنما ثابت ہو۔

آمین ثم آمین!

محمد اسماعیل سنبھلی

مقصد تقلید اور اس کی حقیقت

دین اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے احکام الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز، اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی ضروری ہے، لہٰذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صرف قرآن وسنت کی تابعداری کرے، جو شخص رسول کے بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو، وہ یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے، لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے احکام کی اطاعت کرے، لیکن قرآن وسنت میں بعض احکام تو وہ ہیں جنہیں ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے، ان میں کوئی اجمال، ابہام یا تعارض نہیں، جو شخص بھی دیکھے گا وہ سمجھ لے گا اور اسے کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی۔

اس کے برعکس قرآن وسنت میں بہت سے احکام وہ ہیں جن میں کسی قدر ابہام یا اجمال ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی دوسری حدیث سے متعارض ہیں، ایسے مواقع پر قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کرنا نہایت دقت طلب اور دشوار ہے۔

اب دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ ہم اپنے ناقص علم، کوتاہ فہم اور نام نہاد بصیرت پر اعتماد کر کے اس قسم کے معاملات میں خود کوئی فیصلہ کرلیں اور اس پر عمل کرلیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے ہم یہ دیکھیں کہ قرآن وسنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف نے کیا سمجھا ہے، قرون اولیٰ کے جن بزرگوں نے اپنی پوری پوری عمریں صرف کر کے مسائل کا استنباط کیا ان میں سے جنھیں ہم علوم قرآن وحدیث کا زیادہ ماہر دیکھیں ان کی فہم وبصیرت پر اعتماد کریں اور انہوں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کے مطابق عمل کریں۔ غائر نظر سے دیکھنے کے بعد اس بارے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت ہر ذی ہوش کے نزدیک نہایت خطرناک ہے اور دوسری صورت بہت محتاط۔

اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ علم وفہم، ذکاوت وحافظہ، دین ودیانت، تقویٰ اور پرہیزگاری ہر اعتبار سے ہم اس قدر تہی دست ہیں کہ قرون اولیٰ کے علماء سے ہماری کوئی نسبت نہیں، پھر جس مبارک دور اور مقدس ماحول میں قرآن نازل ہوا تھا قرون اولیٰ کے علماء اس سے بھی قریب تر تھے اور اس قرب زمانی اور صحابہ وتابعین سے استفادہ کی بنا پر ان کے لیے قرآن وسنت کی مراد کو سمجھنا زیادہ سہل اور آسان تھا، اس کے برخلاف ہم عہدِ رسالت سے اتنی دور جا پڑے کہ ہمارے لیے اس زمانہ کے طرز معاشرت اور طرز گفتگو کا جیسا کہ چاہیے تصور بھی نہایت مشکل اور دشوار ہے، کیونکہ کسی شخص یا کسی دور کی بات سمجھنے کے لیے اس کے پورے پس منظر کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے مختلف التعبیر اور پیچیدہ معاملات میں اسی مطلب کو درست قرار دیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی ممتاز عالم نے سمجھا ہے تو کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں آدمی کی تقلید کی۔

ہماری اس تقریر سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کسی امام یا مجتہد کی تقلید صرف اس موقع پر کی جاتی ہے جہاں قرآن وسنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں اجمال وابہام یا کسی تعارض کی وجہ سے کوئی الجھن یا دشواری ہو اور جہاں اس قسم کی کوئی الجھن یا دشواری نہ ہو وہاں کسی امام اور مجتہد کی تقلید ضروری نہیں، نیز مذکورہ بالا گذارشات سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ کسی امام ومجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ پیروی تو قرآن وسنت کی ہے، محض مراد سمجھنے کے لیے بحیثیت شارح قانون ان کی تشریح اور تعبیر پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اب آپ بنظر انصاف غور کیجیے کہ اس عمل میں کون سی بات ایسی ہے جسے گناہ یا شرک کہا جائے ، ہاں اگر کوئی شخص کسی امام کو شارع کا درجہ دے کر اسے واجب الاتباع قرار دیتا ہو تو بلا شبہ اسے شرک کہا جا سکتا ہے، لیکن کسی کو شارح قانون قرار دے کر اپنے مقابلہ میں اس کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرنا تو افلاس علم کے اس دور میں اس قدر نا گزیر ہے کہ اس سے کوئی مفر نہیں ، پس تقلید ائمہ مجتہدین کا اصل مقصد دین کی حفاظت اور قرآن و حدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے اور تقلید ائمہ اربعہ سراسر عمل بالقرآن والحدیث ہے۔

اجتهاد اور تقلید کی ضرورت

شریعتِ اسلامیہ میں فروعی اور جزئی مسائل دو طرح کے ہیں، ایک وہ مسائل جن کا ثبوت ایسی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے صراحتاً ہے جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے اور ان مسائل پر ان کی دلالت قطعی ہے، اس قسم کے مسائل کو منصوصہ غیر متعارضہ کہتے ہیں اور ایسے مسائل میں اجتہاد کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی اور نہ مجتہد اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کرتا ہے، کیونکہ مجتہد کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ حکم صراحتاً منصوص نہ ہو۔ جب ان مسائل میں اجتہاد کی گنجائش نہیں تو ان میں کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایسے مسائل میں ان احکام پر عمل کیا جائے گا جو آیات و احادیث سے صراحتاً ثابت ہیں۔ دوسرے وہ مسائل جن کا ثبوت صراحتاً کسی آیت یا حدیثِ صحیح سے نہیں، یا ثبوت تو ہے مگر اس آیت یا حدیث میں متعدد معانی کا احتمال ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر کسی ایک معنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا، یا وہ کسی دوسری آیت یا حدیث سے بظاہر متعارض ہے، اس قسم کے مسائل کو اجتہاد غیر منصوصہ کہا جاتا ہے، اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہو گی اور ان کا صحیح حکم مجتہد کے اجتہاد سے معلوم ہو سکے گا اور یہی وہ مسائل ہیں جن میں غیر مجتہد کو تقلید کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

اب چونکہ شریعتِ اسلامیہ کے تمام جزئی مسائل منصوص نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس ان کا صحیح حکم سمجھ سکے، بلکہ بہت سے مسائل اجتہادی ہیں جن میں اجتہاد کی ضرورت ہے، پس اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے امت مرحومہ کے مخصوص افراد کو وہ ملکۂ استنباط اور قوتِ اجتہاد عطا فرمائی ہے کہ وہ حضرات نصوص و احادیث میں غور و فکر کر کے ان جزئی مسائل کے احکام مستنبط کریں جن کا نصوص میں صراحتاً ذکر نہیں ہے اور عام لوگوں کے لیے عمل کی راہ سہل اور آسان کر دیں۔

حضرات صحابہ جن کو ہمہ وقت دربار نبوی میں حاضری کا شرف حاصل تھا ان کو تو اس قوتِ اجتہاد سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہ تھی ، کیونکہ ان کو دربار نبوی سے تمام مسائل معلوم ہو جاتے تھے، لیکن صحابہ کرام کی وہ جماعت جو مدینۃ الرسول سے باہر کسی مقام پر قیام پذیر تھی یا وہ لوگ جو بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے تھے ان کو اس قوت اجتہاد کی شدید ضرورت تھی ، کیونکہ ایسے مسائل اجتہادیہ میں شریعتِ اسلامیہ پر پورے طور پر عمل کرنا بغیر اجتہاد کے غیر ممکن تھا، پس حق تعالیٰ نے خیر القرون میں بے شمار صحابہ کرام ، تابعین و تبع تابعین اور من بعد ہم کو اس دولتِ اجتہادیہ سے نوازا اور خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل ؓ کو یمن روانہ کرتے وقت صاف اور واضح لفظوں میں اجتہاد کی تحسین اور تصویب فرمائی۔

عن معاذ بن جبل ان رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لك قضاءٌ ، قال اقضى بكتا ب اللّٰه قال فان لم تجد فى كتاب اللّٰه ، قال بسنة رسول اللّٰه ، قال فان لم تجد فى سنة رسول اللّٰه ، قال اجتهد برائى ولاآلو ، قال فضرب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم علىٰ صدره و قال الحمد للّٰه الذى وفق رسول رسول اللّٰه لما يرضى به رسو ل اللّٰه.

(مشکوۃ شریف) بحوالہ ابوداود، ترمذی ودارمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ ابن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو یہ پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آجائے تو کس طرح فیصلہ کروگے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا، فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہوتو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے؟ عرض کیا اس وقت اجتہاد واستنباط کرکے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ آپ نے اس پر (فرط مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی اور خوش ہے۔

تنبیہ: غور فرمایئے کہ یہ واقعہ تقلید اور اجتہاد دونوں مسئلوں کے لیے شمع ہدایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لیے اپنے فقہاء صحابہ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا اور انھیں حاکم وقاضی، معلم ومجتہد بنا کر اہل یمن پر لازم کردیا کہ وہ ان کی تابعداری کریں، انھیں صرف قرآن وسنت ہی نہیں بلکہ قیاس واجتہاد کے مطابق بھی فتویٰ صادر کرنے کی اجازت عطا فرمائی، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے اہل یمن کو ان کی تقلید شخصی کی اجازت دی بلکہ اس کو ان کے لیے لازم فرمایا۔

الغرض رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ومنشا کے مطابق حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور پھر ائمہ مجتہدین نے مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کے ذریعہ احکام شریعت ظاہر فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا اور جن لوگوں میں اجتہاد کی قوت نہ تھی انھوں نے یہ سمجھ کر کہ حضرات مجتہدین علم وفہم اور تقوی ودیانت میں ہم سے کہیں زیادہ فائق اور مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں، نیز ان حضرات صحابہ وتابعین اور مجتہدین نے اپنے اجتہاد کے ذریعہ جو کچھ دریافت کیا ہے وہ درحقیقت یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں جو بطریق موقوف یعنی بلا سند کے ذکر کی گئی ہیں، یا ان کے صحیح استنباطات ہیں جو درحقیقت نصوص سے لیے گئے ہیں بہرصورت وہ قابل اتباع اور لائق تسلیم ہیں، ان کے مجتہدات پر عمل کرنا شروع کردیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ویستدل بـا قوال الصحا بة و التا بعین علماً منهم انها احا دیث منـقـولة عـن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مو قو فة (الی ان قـال) او یـکـو ن استـنبا طا منهم من النصوص او اجتهادا منهم بـارائهـم وهـم احسـن صـنیعا فی کل ذالك ممن یجئ بعد هم واکثر اصابة واقدم زماناً واوعی علما فتعین العمل بها. (انصاف) ص ۲۰-۲۱	اوراہل طبقہ یعنی تبع تابعین صحابہ اورتابعین کے اقوال سے استدلال کیا کرتے تھے کہ یہ اقوال یاتواحادیث نبویہ ہیں کہ ان کومختصر کر کے موقوفاً بیان کردیا گیا ہےاوریا یہ اقوال صحابہ وتابعین منصوص حکم سے خودان کے استنباطات ہیں یاان کی رایوں سے بطوراجتہاد لیے گئے ہیں اور حضرات صحابہ وتابعین ان جملہ امور میں ان لوگوں سے بہتر ہیں جوان کے بعد ہوئے، وہ بیان صواب میں زیادہ اورزمانہ کے اعتبار سے اقدم اور باعتبارعلم سب سے بڑھ کر ہیں اسی لیےان کے اقوال پرعمل کرنا متعین ہوا۔

اسلاف پر اعتماد کر نا دین کی بنیاد ھے

اپنے پیش روؤں پراعتماد کرنا اوران کے ساتھ حسن ظن رکھنا اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتِ عظمی ہے اوردولتِ بے بہا ہے کہ ہمارے تمام دینی ودنیوی کاروباراسی کی بدولت چل رہے ہیں،علوم وفنون کی گرم بازاری اورتاریخ وحکمت کا یہ پھیلاؤ، بڑے بڑے کارخانے ولائبریریاں جوعلوم وفنون کے مخزن ہیں یہ سب اعتبار واعتماد ہی کے ثمرات ہیں، اگراخلاف اپنے اسلاف پراعتماد نہ کرتے تو ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہوتا اور ہم وحشیوں کی طرح دنیا کے جنگل میں مارے مارے پھرتے اورانسانی زندگی کی خصوصیات اورعلمی وفنی امتیازات سے یکسر خالی ہوتے۔اسی فطری اصول کے مطابق ہردور کے مسلمانوں میں اللہ کے نیک اورصالح بندوں اورائمہ ہدیٰ پراعتماد وحسن ظن رہا ہے،اگر یہ نہ ہوتا تو آج ہماری نظر میں جوکچھ دین اسلام کے نشانات پائے جاتے ہیں یہ کچھ بھی نہ ہوتے درحقیقت اعتماداوراعتبار ہی وہ چیز ہے جوتمام شریعت کی جڑ اور بنیاد ہے۔

حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

ان الامة اجتـمـعـت عـلـی ان یـعتـمدوا علی السلف فی معرفة الشـریـعة فـالتـا بعون اعتمدوا فی ذالك علی الصحابة ، وتبع تا بـعیـن اعتـمـدوا عـلی التا بعین ، وهکذا فی کل طبقة اعتمدوا الـعـلـمـاء عـلـی من قبلهم والعقل یدل علی حسن ذالك ، لان الشـریعة لا یعرف الا بالنقل والا ستنباط ، والنقل لا یستقیم الا بـان یـأخـذ کل طبقة عمن قبلها با لا تصال. (عقد الجید ص ۳٦)	معرفتِ سنت میں تمام امت نے بالاتفاق سلف گذشتہ پراعتماداور اعتبار کیا ہے، چنانچہ تابعین نے صحابہ پراعتماد کیااورتبع تابعین نے تابعین پر،اسی طرح ہرہر طبقہ میں پچھلے علماء پہلوں پراعتماد واعتبار کرتے چلے آئے ہیں، نیزعقل سلیم بھی اسی کوتسلیم کرتی ہے، کیونکہ شریعت بغیرنقل اوراستنباط کے معلوم نہیں ہوسکتی اورنقل اسی طرح ٹھیک اوردرست ہوسکتی ہے کہ ہرطبقہ میں پچھلے لوگ پہلوں سے بالاتفاق لیتے رہے ہیں۔

تقلید کی تعریف:جب یہ بات معلوم ہوچکی کہ شریعتِ اسلامیہ کی تمام تر بنیاداسلاف کے اعتماداوراعتبار پر ہے تواس حقیقت کا سمجھنا بہت آسان ہوجاتا ہے کہ تقلید کے معنی اوراس کی حقیقت کیا ہے،کسی شخص کا کسی ذی علم بزرگ اورمقتدائے دین کے قول وفعل کومحض حسن ظن اور اعتماد کی بناپرشریعت کاحکم سمجھ کراس پرعمل کرنااورعمل کرنے کے لیےاس مجتہد پراعتماد کی بنیاد پردلیل کاانتظار نہ کرنااوردلیل معلوم ہونے تک عمل کوملتوی نہ کرنااصطلاح میں تقلید کہلاتا ہے۔

(۱) مولانا قاضی محمد اعلیٰ تھانوی اپنی مشہور کتاب ''کشف اصطلاحات الفنون'' مطبوعہ کلکتہ، صفحہ ۱۷۸ میں بعض شروح حسامی سے نقل کرتے ہیں:

التقليد اتباع الا نسان غيره فيما يقول او يفعل معتقداً للحقية من غير نظر الى الدليل كأن هذا المتبع جعل قول الغير او فعله قلادة فى عنقه من غير مطالبة دليل.

ترجمہ: تقلید کے اصطلاحی معنی ہوئے کسی آدمی کا دوسرے کے قول یا فعل کو بلا دلیل طلب کیے ہوئے اپنی گلے کا ہار بنا لینا، ایسی تابعداری جس کی ابتداء دلیل کے غور کرنے پر مبنی نہ ہو، گویا کہ اس تابعداری کرنے والے (مقلد) نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا ہار بنالیا ہے بلا دلیل طلب کیے۔

(۲) علامہ ابن ملک اور علامہ ابن العینی ''شرح مناد'' مصری کے صفحہ ۲۵۲ میں فرماتے ہیں:

وهو عبارة عن اتباعه فى قوله او فعله للحقية من غير تأمل فى الدليل.

یعنی تقلید حسن عقیدت کے ساتھ کسی کے قول یا فعل کے اتباع کرنے کو کہتے ہیں بغیر دلیل کی فکر میں پڑے ہوئے۔

(۳) ''نامی، شرح حسامی'' مطبوعہ مجتبائی، صفحہ ۱۹۰ میں ہے۔

التقليد اتباع الغير على ظن انه محق بلا نظر الدليل.

یعنی دوسرے کو اہل حق خیال کرتے ہوئے اس کی دلیل کی فکر میں پڑے بغیر اس کی تابعداری کر لینا تقلید ہے۔

مذکورہ بالا جملہ تعریفات کا حاصل صرف یہ ہے کہ مقلد مجتہد کے قول و فعل کو دریافت کر کے محض حسن عقیدت اور حسن ظن کی بنا پر عمل کرے اور اپنے اس تسلیم و عمل کے لیے مجتہد کے اجتہاد میں دلیل کی فکر نہ کرے اور نہ اس سے دلیل کا مطالبہ کرے، اگر بعد میں مقلد کو مجتہد کی دلیل کا علم ہو گیا یا اپنے ذاتی علم مطالعہ اور تجسس و تفحص سے اس مسئلہ کے متعلق بہت سے دلائل دریافت ہو گئے تو یہ امر ہرگز تقلید کے منافی نہیں ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ لفظ تقلید اور اتباع مقلدین کے نزدیک مترادف اور ہم معنی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، چنانچہ شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ''سبیل الرشاد'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں''۔

لہٰذا جن لوگوں نے اتباع اور تقلید میں فرق کیا ہے وہ ہم پر حجت نہیں، لا منا قشة فى الا صطلاح.

تنبیہ: تقلید کی اصطلاحی تعریف اور اس کے مفہوم میں اگرچہ یہ بات شامل ہے کہ تسلیم اور عمل کے وقت دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مقلد کو دلیل کا علم ہی نہ ہو، لہٰذا غیر مقلدوں کا یہ کہنا کہ تقلید جہالت کو مستلزم ہے، کیونکہ تقلید کے مفہوم میں عدم معرفت دلیل داخل ہے یا ان کا یہ اعتراض کہ ہدایہ جیسی کتاب کے پڑھنے پڑھانے والے مقلد نہیں رہ سکتے سراسر مہمل اور غلط ہے، کیونکہ تقلید معرفت دلیل کے ہرگز منافی نہیں ہے، لہٰذا کوئی مقلد مسائل جزئیہ فقہیہ کے دلائل جان لینے یا ہدایہ جیسی مدلل کتاب کے پڑھنے اور پڑھانے سے ہرگز ہرگز تقلید سے باہر نہیں ہوتا۔

ہماری اس وضاحت کے بعد مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم کے ان اعتراضات اور اشکالات کا خاطر خواہ جواب ہو جاتا ہے جو انھوں نے اپنے رسالہ تقلید شخصی و سلفی ص ۵۱، ۵۲ اور رسالہ فقہ و فقہیہ ص ۸ تا ۱۲ اور ص ۲۶ و ۲۷ اور رسالہ اجتہاد و تقلید ص ۴۸ تا ۵۵ میں وارد کیے ہیں، کیونکہ ان کے تمام اعتراضات اور اشکالات کا مشترک حاصل یہ ہے کہ انھوں نے تقلید کو معرفتِ دلیل کے منافی سمجھ لیا ہے۔ ہماری طرف

سے ان کا مشترک جواب یہ ہے کہ تقلید کی مذکورہ بالا تعریف میں لفظ ''الدلیل'' سے مراد خاص وہ دلیل ہے جس کو مجتہد نے پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے، علمی زبان میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ''الدلیل'' پر الف ولام عہد کا ہے اور لفظ ''من غیر نظر الدلیل'' اور ''من غیر تأمل فی الدلیل'' ''من غیر مطالبۃ الدلیل ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ مقلد کا بوقت اتباع مجتہد سے دلیل خاص کی طلب اور تحقیق نہ کرنا بلکہ اس کے قول کو محض حسن ظن اور اعتماد کی بنا پر ماننا اور اس کی تابعداری کر لینا تقلید ہے، بعد میں چل کر مجتہد کی دلیل خاص یا دوسری دلیل کا بغیر مطالبہ مقلد کو معلوم ہو جانا یا دوسرے کسی عالم سے معلوم کر لینا یا اپنے ذاتی مطالعہ کتب کے ذریعہ یا اپنی خداداد فہم وذکاوت سے دلائل کا علم حاصل کر لینا یا عوام کو سمجھا نے کے لیے، مناظروں میں منازعین کی زبان بندی کے لیے دلائل کو بیان کرنا مفہوم تقلید کے قطعاً منافی نہیں اور تقلید ہرگز مرتبہ جہل اور بے علمی کا نام نہیں، فافھم، ہاں تقلید کی مسلم الثبوت والی تعریف: ''التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ'' سے وہم ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تعریف میں تعریفاتِ سابقہ کے قرینہ سے مضاف محذوف ہے، یعنی ''من غیر مطالبۃ حجۃ'' بغیر طلبِ دلیل دوسرے کی بات پر عمل کرنا۔

تقلید کا ثبوت :تقلیدِ مطلق جس کی تعریف اوپر بیان کی جا چکی ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تقلید شخصی، یعنی ایک خاص مجتہد کی طرف جو مذہب اور مسلک منسوب ہو اس کے جملہ مسائل مفتیٰ بہا کو دلیل طلب کئے بغیر قبول کر لینا اور اس کو اپنے عمل کے لیے کافی سمجھنا۔ یہ مسائل مفتی بہا اس امام مجتہد کے بھی ہو سکتے ہیں، اس کے شاگردوں کے بھی اور ان علماء کے بھی ہو سکتے ہیں جو اس امام مجتہد کے مقلد ہوں، بہر حال ان سب کا مجموعہ ایک مذہب معین کہلاتا ہے، مثلاً فقہ حنفی و مالکی وغیرہ۔

(۲) تقلید غیر شخصی، یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے متعدد مجتہدین کے مسائل کو ان کی دلیل طلب کیے بغیر اپنا معمول بہا ٹھیرانا، یعنی کوئی مسئلہ کسی مجتہد کے مذہب کا لے کر عمل کر لینا اور ایک معین مجتہد ے مذہب کے تمام مسائل مفتیٰ بہا کا پابند نہ ہونا۔

تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہِ راست قرآن وسنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ جسے قرآن وسنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے اس کے فہم وبصیرت اور تفقہ پر اعتماد اور اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا جواز بلکہ وجوب قرآن وسنت کے بہت سے دلائل سے ثابت ہے، ہم یہاں پر صرف ایک آیتِ قرآنی اور ایک حدیث ِ نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم سے اس کا ثبوت پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں

تقلید کے ثبوت میں آیت:

یا ایھا الذین آمنو اطیعو اﷲ و اطیعو االرسول واولی الامر منکم (سورہ نساء ، پارہ۵)	اے ایمان والو تم کہنا مانو اللہ کا اور کہنا مانو پیغمبر اور اولوالامر (دین کے مجتہدین) کا جو تم میں سے ہیں

اس آیت میں حق تعالیٰ وتبارک نے ''اولی الامر'' کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم فرمایا ہے، ''اولوالامر'' کون لوگ ہیں اس کی تفسیر بعض حضرات نے سلطان اور بادشاہ سے کی ہے، بعض نے شیخ طریقت سے اور بعض حضرات نے امام مجتہد سے فرمائی ہے، لیکن غور کیا جائے تو اس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، یہ سب ''اولوالامر'' میں داخل ہیں۔ ''امر'' دو طرح کے ہوتے ہیں: دنیاوی اور دینی، پھر دنیاوی کی چند صورتیں ہیں:

ملک کی سیاست کے اعتبار سے سلاطین اور بادشاہ اولوالامر ہیں، یعنی ملکی وحکومتی انتظامات میں سلطان کا حکم بجالانا ضروری ہے، ورنہ

دنیاوی معاملات میں سخت قسم کا انتشار پیدا ہوگا۔اسی طرح تدبیر منزل یعنی گھریلونظم ونسق کے اعتبار سے وہ لوگ جوگھر میں بڑے ہوں وہی اولوالامر ہیں۔امورِخانہ داری کی انجام دہی کے لیےان کی اطاعت اورفرمانبرداری ضروری ہے،ورنہ گھر کا صحیح نظم قائم نہیں رہ سکتا وقس علی ھذا۔

امر دینی کی بھی دو قسمیں ہیں: باطنی اور ظاہری۔ظاہری کوشرع بھی کہتے ہیں، باطنی کے اولوالامر شیوخ طریقت ہیں کہ سالکان طریقت کوان کا اتباع ضروری ہےاورعلم ظاہری یعنی علم شریعت کے اولوالامر ائمہ مجتہدین ہیں جوکتاب اللہ اورسنتِ رسول اللہ سے واقف اور استنباط مسائل پر قادر ہوتے ہیں لہٰذا شرع کے اولوالامر ائمہ مجتہدین ہوئے اور شرعی امور میں ان کی تابعداری لازم ہوئی اور یہ امر ظاہر ہے کہ تا بعداری اسی وقت تک ضروری ہوتی ہے جب تک کہ تابعداری کرنے والا متبوع کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔اولوالامر کی اس وضاحت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ آیتِ کریمہ سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ مسلمان جوخود مجتہد نہیں ہیں ان کوکسی مجتہد کا حکم بجالانا واجب اورضروری ہے۔

چونکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم زمرۂ مجتہدین میں داخل ہیں بلکہ بہت بڑے مجتہد ہیں،اگر ان کا اتباع کیا جائے تو یہ بات اس آیت کریمہ سے بخوبی ثابت ہے، رہا یہ امر کہ حکم مجتہد روایت ہے یا درایت (اجتہاد) اور یہ بات کہ حسن ظن کی بنا پر مجتہد کا حکم مان لیا جائے یا اس سے دلیل بھی طلب کی جائے،سواس کا فیصلہ بھی آیتِ کریمہ ہی کے الفاظ سے ہورہا ہے، وہ اس طرح کہ اول درجہ میں خدا کی اطاعت کا حکم فرمایا گیا ہےاوردوسرے درجہ میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہےاورتیسرے درجہ میں مجتہدین کے فرمان پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب غور کیجئے کہ مجتہدین کی جوروایت قرآن وحدیث سے ہوگی وہ توبعینہ پہلے دوحکموں میں داخل ہے،اس کوعلیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی نیز روایت توغیرمجتہدین کی بھی واجب الاتباع ہے بشرطیکہ وہ ثقہ ہوں، پھراس میں مجتہدین کی تخصیص سے کیا فائدہ، پس تیسرے درجہ میں مجتہدین کی درایت یعنی مسائل اجتہادیہ کا واجب الاتباع ہونا متعین ہوااوراولوالامر کوبلا اعادہ فعل ''اطیعوا الرسول'' پرعطف کرکے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بغیر مطالبۂ دلیل محض حسن ظن کی بنا پر واجب ہے اسی طرح حضرات ائمہ مجتہدین کے مسائلِ اجتہادیہ کی تابعداری بھی بلا طلب دلیل محض حسن ظن کی بنا پر واجب ہے،البتہ دونوں جگہ حسن ظن کی وجہ مختلف ہوگی۔

پہلی جگہ اس کی وجہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہے جس کی اطاعت واجب قطعی ہےاوردوسری جگہ حسن ظن کی وجہ ائمہ مجتہدین کا تقوی اوراجتہاد صحیح ہے جس کی اطاعت واجب ظنی ہےاور مجتہدین کی ایسی اطاعت کہ جس کی بنیاد حسن ظن پر ہووہی تقلید ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ میں غیر مجتہدین کواجتہادی مسائل میں حضرات مجتہدین کی تقلید کا حکم فرمایا گیا ہےاور یہ حکم ہردوتقلید شخصی وغیرشخصی دونوں کے وجوب کوشامل ہے کیونکہ اولی الامر میں اضافت جنسی ہے جوایک اورایک سے زیادہ مجتہدین کوبرابر شامل ہے۔

تقلید کے ثبوت میں حدیث:

عن حذیفةؓ قال قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم انی لا ادری ما قدر بقا ئی فیکم فا قتدوا بالذین بعدی و اشار الیٰ ابی بکرؓ وعمرؓ (اخرجه التر مذی) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ مجھ کومعلوم نہیں کہ تم لوگوں میں کب تک زندہ رہوں گا،سوتم لوگ ان دونوں شخصوں کی اقتدا کرنا جومیرے بعد ہوں گےاورحضرت ابوبکرؓاورحضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ ’’ من بعدی ‘‘ سے ان دونوں حضرات کا زمانۂ خلافت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے خلیفہ ہونے کی حالت میں ان کا اتباع کرنا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک وقت میں خلیفہ ایک ہی صاحب ہوں گے، لہٰذا ابو بکرؓ کی خلافت میں ان کی پیروی کرنا اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت عمرؓ کی تابعداری کرنا۔

پس ایک زمانہ خاص تک ایک معین شخص کے اتباع کا حکم فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سے احکام اور مسائل کی دلیل بھی دریافت کر لیا کرنا اور اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں جس کا ثبوت اس قولی حدیث سے بخوبی ہو گیا، نیز اس حدیث میں ’’اقتدا‘‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو انتظامی امور میں استعمال نہیں ہوتا اس کا مفہوم بعینہ وہی ہے جو تقلید کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔

تقلید کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا مسلک

اب ہم صحابہ کرام اور مابعد کے زمانوں میں تقلید کی تدریجی نوعیت کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے ناظرین کو پتہ چلے گا کہ تقلید غیر شخصی سے شخصی کیوں ضروری ہوئی اور اس کا انحصار مذاہب اربعہ میں کب اور کیوں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تقلید کے مسئلہ پر بڑی بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے اور چونکہ حضرات غیر مقلدین تقلید کی مخالفت کرنے میں اکثر و بیشتر (غلط طور پر) ان کا کلام پیش کر کے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں، اس لیے ہم اس موقع پر حضرت شاہ صاحب ہی نے اس مسئلہ کی جو وضاحت فرمائی ہے اس کو بیان کیے دیتے ہیں:

عہد صحابہ و تابعین میں تقلید: حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کے عہد زریں میں رواج یہ تھا جب کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور اس مسئلہ میں وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکتا تو وہ کسی بھی صاحبِ بصیرت عالم کی طرف رجوع کرتا اور اس سے دریافت کر کے عمل کر لیتا تھا۔

لا ن الـنـا س لم يزالوا من زمن الصحابة الى ان ظهرت المذاهب الاربعة يـقـلـدو ن من اتفق من العلماء من غيرنكير من احد يعتبر انكاره ولو كا ن ذالك باطلا لانكروه (عقدالجيد ، ص ۲۲)

کیونکہ صحابہ کرام سے لے کر چار مذاہب کے ظہور تک یہی دستور اور رواج رہا کہ کوئی عالم مجتہد مل جاتا تو اسی کی تقلید کر لیتے تھے، کسی بھی معتبر آدمی نے اس پر نکیر نہیں کی، اگر یہ (تقلید) باطل ہوتی تو وہ حضرات اس پر ضرور نکیر فرماتے۔

تنبیہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک مقلد کا اپنے امام کو تمام ائمہ پر فضیلت دینا تقلید امام کے لیے ضروری نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

وردّ ان اعتـقـاد افضلية الامام على سا ئر الائمة غير لازمة فى صـحة التقليد اجماعاً لان الصحابة و التابعين كانوا يعتقدو ن ان خير هذه الامة ابو بكرؓ ثم عمرؓ كانوا مقلدين فى كثير من الـمـسـائـل بـخلاف قولهما ولـم ينكر على ذالك احد و كان اجماعا على ما قلنا. (عقدالجيد ، ص ۷٦)

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں یہ اعتقاد رکھنا بالاجماع ضروری نہیں کہ میرا امام باقی اور ائمہ پر فضیلت رکھتا ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل ترین ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ ہیں، اس کے باوجود بہت سے مسائل میں ان دونوں حضرات کی رائے کے خلاف دوسرے صحابہ کی تقلید کرتے تھے اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، لہٰذا یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے قریب تر تھا، اس وجہ سے وہ بہرحال خیر و برکت کا اور خلوص وللّٰہیت کا زمانہ تھا، اس میں تقلید غیر شخصی کے اندر کسی قسم کی بڑی مضرت کا گمان نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے اس زمانہ میں تقلید کے دائرہ کا وسیع ہونا کوئی تعجب خیز امر نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں علم فقہ کی تدوین بھی عمل میں نہیں آئی تھی، لیکن حضرات تابعین کے بعد کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے بعید ہو چکا تھا، عام طور پر طبیعتیں بھی پہلے سے مختلف ہوگئی تھیں، فساق و فجار جن پر ہوا و ہوس کا غلبہ تھا بکثرت ہو گئے تھے، اس لیے تقلید کی موجودہ وسعتوں کو تقلید شخصی میں محدود کرنا ناگزیر تھا، ورنہ مفاسد کا دروازہ کھل جاتا اور شرائع و احکام شرع بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتے، چنانچہ دوسری صدی ہجری کے اختتام پر ائمہ مجتہدین کے تفقہات کتابی شکل میں مدون ہونا شروع ہو گئے، جن لوگوں کو تدوین شدہ مذاہب میسر آئے انھوں نے اسی مذہب کی پیروی کر لی اور تقلید شخصی اختیار کی، البتہ جن کو وہ مذاہب میسر نہ ہو سکے وہ اس زمانہ میں بھی بدرجہ مجبوری تقلید غیر شخصی ہی کرتے رہے حتی کہ ان کو کوئی مدون مذہب دستیاب ہو گیا۔

اس بارے میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وبعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين اعيا نهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هو الواجب فى ذالك الزمان. (الانصاف ، ص ٦)	اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہوا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانہ میں یہی ضروری تھا۔

اشتغال فی الفقہ کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وبالجملة فالتمذ هب للمجتهدين سر الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم من حيث يشعرون او لا يشعرون (الانصاف ص ٦٧)	الحاصل ان مجتہدین کا صاحبِ مذہب ہونا اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا یہ ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر الہام کیا اور ان کو اس پر مجتمع کر دیا چاہے اس کو جانیں یا نہ جانیں

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تقلید شخصی کا رواج گو دوسری صدی ہجری کے بعد ہو گیا تھا، مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو تقلید غیر شخصی پر عامل تھے اور اس کو انھوں نے بالکلیہ ترک نہیں کیا تھا، فرماتے ہیں:

اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجتمعين على تقليد الخاص لمذهب واحد بعينه (حجة الله البالغة ، ص ١١٢ ، ج ١)	جاننا چاہیے کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل تمام لوگ متعین طور پر کسی مذہب خاص کی پیروی (یعنی تقلید شخصی) پر متفق نہیں ہوئے تھے۔

تقلید شخصی میں انحصار: جب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ کا فقہ کتابی شکل میں مدون ہو کر تمام ممالکِ اسلامیہ میں پھیل گیا اور عام طور پر رائج ہو گیا تب انھیں مذاہبِ اربعہ میں تقلید کا انحصار ہو گیا اور پھر تقلید شخصی کے سلسلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہ رہا بلکہ اس کے خلاف کرنے کو سوادِ اعظم سے فرار و انحراف کے مترادف سمجھا جانے لگا جو سخت ترین گناہ ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

ولما اندرست المذا هب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج منها خروجاًعن السوادالاعظم. (عقدالجیدص ۳۸)

جب بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب حقہ ختم ہو گئے تب انھیں مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان چاروں مذہب سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنے کے مرادف ٹھیرا

اور حضرت شاہ صاحبؒ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مذاہبِ اربعہ میں تقلید شخصی کے انحصار اور جواز تقلید پر اجماع امت ہے اور یہ قوی ترین دلیل ہے، فرماتے ہیں:

هـذه الـمذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يو منا هذا. (حجة الله البالغة ، ص ۲۳، ج ۱)

تمام امت نے یا امت کے قابل لحاظ افراد نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کرلیا ہے جو آج تک جاری ہے۔

اور فرماتے ہیں۔

وفـي ذالك كـلهـا مـن المصالح ما لايخفى لاسيما فى هذه الايام التى قصرت فيها الهمم جداً واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذى رأى برأيه. (حجة الله البالغة)

اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو پوشیدہ نہیں ہیں بالخصوص اس زمانہ میں کہ ہمتیں پست ہوگئی ہیں اور نفوس میں خواہشات کا غلبہ اور ہر رائے والا اپنی رائے پر مغرور ہے۔

پھر آگے چل کر تقلید شخصی پر لعن طعن کرنے والوں پر سخت تنقید فرماتے ہیں۔

فـمـا ذهـب اليـه ابن حزم حيث قال التقليد حرام لا يحل لاحد ان ياخذ قول احد غير رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا برهان. (حجة الله البالغة)

علامہ ابن حزم نے جو رائے قائم کی ہے کہ ''تقلید حرام ہے اور سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کا قول لینا حلال نہیں'' یہ ایک بے دلیل بات ہے۔

تقلید کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر بالفرض کوئی شخص کسی ایسے ملک میں قیام پذیر ہو جہاں کسی دوسرے مذہب کا کوئی عالم یا اس کی کتابیں موجود نہ ہوں تو اس کو مروجہ مذہبِ حنفیہ کی تقلید کرنا ضروری ہے، اسی میں خیر ہے، فرماتے ہیں:

فاذا كان الانسان جاهلا فى بلاد الهند او بلاد ماوراء النهر وليس هـنـاك عـالـم شـا فعى ولا مالكى ولا حنبلى ولا كتاب من كتب المذا هب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابى حنيفةؒ ويحرم عليه ان يـخـرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع عنقه ربقة الشريعة ويبقى سداً مهلاً. (الانصاف)

جب کوئی شخص ہندوستان یا ماوراء النہر میں سکونت پذیر ہو جہاں کوئی شافعی مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کتابیں ہی میسر آسکتی ہوں تو اس عامی شخص پر واجب ہے کہ وہ صرف امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرے، ان کے مذہب سے علیحدہ ہونا اس کے لیے حرام ہے، کیونکہ اس سے علیحدگی کی صورت میں وہ شریعت کی رسی اپنی گردن سے اتار پھینکے گا اور پھر یونہی آزاد پھرتا پھرے گا۔

شاہ صاحبؒ ایسے شخص کو قطعاً ناپسند فرماتے تھے جو محدثین اور فقہاء سے کنارہ کش ہو جائے، اپنی کتاب ''الانصاف'' میں فرماتے ہیں:

''جو شخص ایسے صوفیاء کرام سے جو عالم شریعت بھی ہوں اور ایسے علماء سے جو صوفی ہوں یا محدثین سے جن کو احادیثِ نبویہ سے وافر

حصہ ملا ہو اور ایسے فقہاء سے جن کو فقہ سے گہرا تعلق ہو تعلق منقطع کرے وہ شخص ہمارے گروہ سے نہیں ہے"۔

تنبیہ: بلاشبہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے ایسے شواہد بھی ملتے ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ تقلید شخصی کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن شاہ صاحبؒ کی ان ساری عبارات کو سمجھنے کے لیے ان کے گردوپیش کے ماحول سے اور اس زمانہ کے پیدا شدہ فقہی جمود سے صرف نظر نہ کرنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے زمانہ میں بعض لوگوں نے فقہی مسائل اور جزئیات کو احادیث کا درجہ دے دیا تھا، فقہا کی تشریحات کے خلاف کوئی حدیث اگر پیش کی جاتی تو اس کو یہ لوگ رد کر دیتے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں حدیث پاک کا فروغ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے ذریعہ ہوا ہے، شاہ صاحبؒ کی نظر میں یہ چیز ناپسندیدہ تھی، اسی وجہ سے آپ فقہی جزئیات کو کتاب وسنت پر منطبق کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے، تاکہ اقوال مختلفہ میں جو قول سنت کے مطابق ہو اس کو اختیار کیا جائے۔

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں اتنا توسع تھا کہ اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی ظاہری روایت میں موجود نہ ہوتا اور حدیث میں موجود ہوتا تو اس کو ضرور اختیار کر لیتے اور اس طریقہ کو مذہبِ حنفی کی تقلید کے خلاف نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"ومن قال مذهب ابی حنيفة ترك الاشارة بالمسبحة فقد أخطأ ولا يعضد رواية ولا دراية قال ابن همام نعم لم يذكره محمد فی الاصل وذكره فی المؤطاء وجدت بعضهم لا يميز بين قولنا ليست الاشارة فی ظاهر المذهب وقولنا ظاهرالمذهب انها ليست الاشارة". (حجة اللّٰه البالغة، ص ١١، ج ٢)

جس شخص نے یہ کہا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ نہ کرنا چاہیے اس نے غلطی کی، کیونکہ یہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے جیسا کہ ابن ہمام نے فرمایا، ہاں اس مسئلہ کو اصل مبسوط میں ذکر نہیں کیا (جو ظاہر روایت کی کتابوں میں سے ہے) لیکن انھوں نے موطا میں اس کو ذکر فرمایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ فقہاء حنفیہ کی دو تعبیروں میں فرق نہیں کرتے کہ اشارہ ظاہر مذہب میں نہیں اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہیں۔

اس توسع کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض ظاہریں حضرات نے شاہ صاحب کو حنفی مسلک سے الگ بلکہ اس کے خلاف سمجھ لیا، حالانکہ یہ قطعاً خلاف حقیقت ہے۔

یہ تھے حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریات مسئلہ تقلید کے بارے میں، اب تقلید کی تدریجی نوعیت کے متعلق کسی قدر تفصیلی جائزہ ملاحظہ فرمایئے۔

تقلید غیر شخصی کا رواج :

رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زرین میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے لیے مسائل جزئیہ اور واقعاتِ حادثہ میں عمل کرنے کے لیے تین راستے تھے:

(۱) ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (۲) اجتہاد (۳) تقلید۔

اگر کسی صاحب کو کسی بھی جزئی مسئلہ میں تردد ہوتا تو بشرط قرب وملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تشفی حاصل کر کے اس پر عمل کر لیتے اور اگر دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور بنا پر ملاقات نہ ہو سکتی تو قاصد کے ذریعہ یا خط وکتابت سے دریافت کرنے کی کوشش کرتے اور اگر یہ

بھی نہ ہوسکتا اوران میں خود اجتہاد کی قوت ہوتی تو اپنے اپنے اجتہاد اور استنباط سے کام لیتے اور عمل کر لیتے اوراگر قوتِ اجتہادیہ میسر نہ ہوتی یا اس سے کام لینا نہ چاہتے تو جو بھی عالم مل جاتا اس سے دریافت کرتے اور وہ اپنی روایت یا درایت سے جو کچھ جواب دیتا پورے وثوق واعتماد سے اس پر یقین کر لیتے۔ چونکہ ان حضرات کا مقصد خالص عمل کرنا ہوتا تھا، اس لیے اس کا راستہ تلاش کر کے عمل میں مصروف ہو جاتے اور قیل وقال میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چونکہ براہ راست آپؐ سے مسائل معلوم کرنے کا سلسلہ ختم ہو گیا اور مسائل غیر منصوصہ اجتہادیہ میں صرف دو ہی چیزوں یعنی اجتہاد اور تقلید پر عمل کا دارومدار رہ گیا، اس لیے اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے مجتہدین کی ایک بڑی جماعت پیدا کر دی، لیکن اس وقت تک کسی مجتہد کے اصول وضوابط منضبط نہیں ہوئے تھے اوراسی طرح مسائل وفروع بھی مدون نہیں تھے، اس لیے کسی خاص معین مجتہد کے مسائل اجتہادیہ پر مطلع ہو کر اس کے مذہب معین کی پابندی اور اس پر عمل کرنا نہایت دشوار بلکہ غیر ممکن تھا۔ ادھر غیر مجتہدین میں تدین وتقوی اور اخلاص عمل کا جذبہ موجزن تھا لہٰذا جس کو جو بھی مجتہد مل جاتا اس سے اپنی ضرورت کا مسئلہ دریافت کر کے عمل کر لیتا اور اس مسئلہ میں اسی کی تقلید اور تابعداری کر لیتا، کسی خاص مجتہد کی پابندی نہیں تھی اور نہ یہ اس وقت ہو سکتی تھی۔ تقریباً دوسری صدی ہجری کے آخر تک اسی طرح تقلید غیر شخصی جاری رہی اور اس کا ایسا عام رواج رہا کہ کسی بھی قابل لحاظ عالم نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا۔

تقلید شخصی کا رواج:

دوسری صدی ہجری میں جب علماء ربانیین نے بالہام خداوندی اصول وفروع کی تدوین اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ بتدریج شروع فرمایا تب بعض مسائل کے ایسے مجموعے پائے جانے لگے جن کے ذریعہ ائمہ مجتہدین کے قابل ترین اور لائق تلامذہ نے اپنے اپنے اساتذہ اور اکابر کے مذاہب ومسالک کی بقا اور ترویج میں سعی بلیغ شروع کر دی۔

اس طرح دوسری صدی ہجری کے بعد اکثر لوگوں میں تقلید شخصی کے رواج کی ابتدا ہوئی، لیکن اس وقت چونکہ مذاہب مدونہ کا اس قدر عام رواج نہ ہو سکا تھا کہ ہر جگہ اور ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہو سکیں اور نیز مجتہدین کی تعداد بھی غیر محصور تھی، اس لیے جن لوگوں کو مذاہب مدونہ پورے طور پر میسر نہ ہو سکے وہ اس وقت بھی حسبِ دستور سابق تقلید غیر شخصی پر عامل رہے اور بہتوں نے ایک ایک مذہب کی پابندی کر کے تقلید شخصی کا التزام کر لیا اور پھر تقلید شخصی بھی ان چار مشہور مذاہب میں منحصر نہ تھی، کیونکہ ان مذاہب کے علاوہ اس وقت اور بھی بعض مجتہدین کے مذاہب پائے جاتے تھے، چوتھی صدی ہجری تک یہی رواج رہا۔

تقلید شخصی کا انحصار مذاہب اربعہ میں

چوتھی صدی ہجری میں جب کہ مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی کتبِ فقہ مدون ہو کر اقوام عالم میں پھیل گئیں اوران مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب پر ہر جگہ اور ہر شخص کے لیے عمل کرنا سہل اور آسان ہو گیا اور بتقدیر الٰہی ان چار ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مذاہب کے سوا باقی تمام مذاہب جو چوتھی صدی ہجری سے قبل کچھ نہ کچھ پائے جاتے تھے اسبابِ حفاظت کی کمی یا اور کسی وجہ سے ختم ہو گئے بلکہ کہنا چاہیے کہ مشیتِ ایزدی اسی طرح تھی کہ جس کا باقی رہنا مقصود تھا باقی رہا اور نہ فنا ہو گیا اور اہل سنت والجماعت میں ان چار مذاہب کے سوا اور کوئی مذہب مروّج اور معمول بہ نہ رہا اور بوجہ عدم ضرورت اجتہاد میں بھی کمی آ گئی تب چوتھی صدی

ہجری میں ان چاروں ائمہ کے مذاہب میں تقلید شخصی کا انحصار ہو گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''بجز مذاہب اربعہ کے دوسرے تمام مذاہب تقریبا معدوم ہو گئے، تب ان ہی چاروں کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان سے باہر ہونا سوادِ اعظم سے نکلنا ہوا۔'' (عقد الجید)

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

''دیار و امصار میں ان ہی ائمہ اربعہ میں تقلید منحصر ہو گئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہو گئے اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دیے اور چونکہ اصطلاحاتِ علمیہ مختلف ہو گئیں اور لوگ مرتبۂ اجتہاد تک پہونچنے سے رہ گئے اور اس امر کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اجتہاد کے میدان میں کہیں ایسے لوگ نہ کود پڑیں جو نہ تو اس کے اہل ہیں اور نہ انکا دین اور ان کی رائے قابل وثوق ہے، لہٰذا علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انھوں نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح فرمادی اور ان ہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کے لیے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے ہدایت اور رہنمائی کرنے لگے اور چونکہ تداول تقلید میں تلاعب ہے، یعنی اس طرح تقلید کرنے میں کہ کبھی ایک امام اور کبھی دوسرے امام کی طرف رجوع کرنے میں دین کھلونا بن جاتا ہے، اس لیے اس طرح کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور ایک ہی امام کی تقلید کرنے پر زور دینے لگے اور صرف نقل مذہب باقی رہ گیا اور بعد تصحیح اصول و اتصال سند بالروایہ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج بجز اس امر کے کچھ اور مطلب نہیں اور فی زمانہ مدّعی اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور اور متروک ہے اور اہل اسلام انہیں ائمہ اربعہ کی تقلید پر مستقیم ہو گئے ہیں۔'' (منقول از اوشحۃ الجید، ص ۸۰۹)

مذاهب اربعه میں تقلید شخصی کا انحصار فضل ربانی هے

مسائل اجتہادیہ غیر منصوصہ میں مجتہد سے کسی بھی صورت میں استغنا نہیں ہو سکتا اور ائمہ اربعہ کے ماسوا باقی تمام مذاہب جن میں مذاہب حقہ بھی تھے چوتھی صدی ہجری تک ختم ہو گئے اور آنے والے لوگوں میں مجتہد بننے کی توقع بھی باقی نہیں رہی تو اب صرف دو ہی صورتیں تھیں، یا تو لوگ اپنے اپنے خیالات کو کافی سمجھ کر اس پر عمل کرتے اور اتباع ہوا کے گناہ میں مبتلا ہوتے یا ائمہ اربعہ کے مذاہبِ حقہ محفوظہ کی تقلید اختیار کرتے اور اپنے آپ کو اتباع ہوا سے محفوظ رکھتے، پس اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں میں ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کی محبت پیدا کر دی اور ان کے دین کو اتباع ہویٰ سے بچا لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ''الانصاف'' میں فرماتے ہیں:

''ائمہ مجتہدین کے مذاہب کا پابند ہونا ایک راز خداوندی ہے جس کو اللہ تعالی نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا ہے اور اس پر ان کو مجتمع کر دیا ہے وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں

''مجتہدین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کے لیے قبولیت آسمان سے نازل ہو (بایں طور) کہ ان کے علم کی طرف علماء مفسرین، محدثین اور اربابِ اصول و حفاظ کتب حدیث و فقہ گروہ در گروہ مائل ہو جائیں اور اس مقبولیت اور علماء کی توجہ پر زمانہائے دراز گذر جائیں کہ یہ قبولیت دلوں کی تہ میں بیٹھ جائے سو الحمد للہ یہ علامت ائمہ اربعہ میں پوری طرح پائی جاتی ہے، لہٰذا مذاہب اربعہ عند اللہ مقبول ہیں۔

تقلید شخصی کا وجوب :

اس بے دینی، کم عقلی اور نفس پرستی کے دور میں تقلید شخصی ضروری اور واجب ہے، اس سے کسی بھی صاحب فہم اور سلیم الطبع آدمی کو قطعاً انکار نہیں ہوسکتا۔تقلید کے وجوب اور اس کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے اولاً وجوب کے معنی سمجھ لینا چاہیے، کسی چیز کے واجب ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ قرآن وحدیث میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی گئی ہو جیسے نماز و روزہ وغیرہ، اس طرح کے وجوب کو وجوب بالذات کہتے ہیں، وجوب کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس امر کی خود تو کہیں صراحتاً تاکید نہیں کی گئی ہے، مگر جن امور کی قرآن وحدیث میں تاکید کی گئی ہے ان پر عمل کرنا اس امر کے بغیر ممکن نہ ہو اس لیے اس کو بھی ضروری اور واجب کہا جائے گا، کیونکہ یہ ایک مشہور اصول ہے کہ ''واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے''، یعنی جس چیز پر کسی واجب کا دارومدار ہو وہ خود بھی واجب ہوتی ہے، اس کی مثال میں بہت سی چیزوں کا نام لیا جاسکتا ہے، جن میں قرآن وحدیث کی تدوین اور کتابت بھی ہے۔

دیکھئے شریعت میں کہیں بھی قرآن وحدیث کو اس طرح یکجا کرنے اور ان کو حیطۂ تحریر میں لانے کا صراحتاً حکم نہیں آیا ہے، لیکن چونکہ قرآن وحدیث کو محفوظ رکھنا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا ایک شرعی فریضہ ہے جس کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ بغیر کتابت کے عادتاً ان کی حفاظت ناممکن تھی، اس لیے قرآن وحدیث کے لکھنے کو ضروری اور واجب سمجھا گیا، یہی وجہ ہے کہ دلالتاً اس پر امت کا اتفاق چلا آرہا ہے، اس طرح کے وجوب کو 'وجوب بالغیر' کہتے ہیں۔

وجوب کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تفصیل کے بعد اب یہ بات ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ تقلید شخصی بھی واجب بالغیر ہے، کیونکہ تقلید شخصی سے ان مفاسد کا دروازہ بند کرنا مقصود ہے جن سے شریعت اسلامیہ نے نہایت شدومد کے ساتھ روکا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

لا تفسدوا فی الارض بعد اصلا حها — اصلاح کے بعد زمین پر فساد برپا مت کرو۔

آیتِ کریمہ میں فساد کرنے سے روکا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز فتنہ وفساد کا باعث ہوگی وہ خود بھی ممنوع ہوگی اور اس کا ترک واجب ہوگا، چونکہ غیر مقلدیت موجبِ فتنہ وفساد ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا اس لیے ترکِ تقلید ممنوع ہوگی اور ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کی تقلید واجب ہوگی، کیونکہ اس سے فتنہ وفساد کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔اب رہی یہ بات کہ ترکِ تقلید میں سراسر فتنہ وفساد ہے اس کے سمجھنے کے لیے غور فرمائیے:

آج کے دور میں عام طور پر علمی کم مائیگی اور اخلاص وللّٰہیت کا فقدان جیسا کچھ ہے ظاہر ہے، ایسی حالت میں اگر یہ طے ہوجائے کہ قرآن وحدیث کا مطلب جس کی سمجھ میں جو آئے وہ اس پر عمل کرے اور اپنی سمجھ کے مطابق فتوی صادر کیا کرے تو اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ بعض لوگ تو اپنے آپ کو مجتہد سمجھ کر قیاس کرنا شروع کردیں گے اور جواز اجتہاد کو احادیث سے پیش کر کے کہیں گے کہ اجتہاد کو حدیث نے کسی جماعت کے ساتھ مخصوص تو کیا نہیں ہے اور پھر ہم بھی تو آخر پڑھے لکھے ہیں، قرآن وحدیث کا ترجمہ ہم نے بھی دیکھا ہے یا کسی عالم سے سنا ہے اور اس کو سمجھ بھی گئے ہیں پھر ہمارا اجتہاد کیوں معتبر نہ ہو؟

اس طرح ہر کس وناکس مدعی اجتہاد ہوگا اور ہر ایک اپنے اجتہاد کے موافق فتویٰ دے گا، پھر ایک دوسرے کے فتویٰ کو باطل قرار دے گا، تو تو میں میں ہوگی اور امت میں سخت اختلاف اور فتنہ وفساد برپا ہوگا، مثال کے طور پر ایک مسئلہ میاہ (مسئلہ پانی) کو لے لیجئے جو فقہ اور اکثر کتبِ حدیث کا گویا پہلا مسئلہ ہے:

اذا بلغ الماء قلتین لا یحمل الخبث. (الحدیث)　　　جب پانی دو قلے (مٹکے) ہوجائے تو وہ ناپا کی قبول نہیں کرتا۔

اس حدیثِ قلتین کی بناپرایک صاحب کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ پانی اگر دوقلوں سے کم ہے تو اس میں نجاست پڑ جانے سے وہ پانی ناپاک ہوجائے گا۔

دوسرے صاحب کے سامنے ایک دوسری حدیث تھی:

الماء طھور لا ینجسه شیٔ ما لم یتغیر.

یعنی پانی پاک کرنے والا ہے،اس کوکوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی جب تک کہ پانی میں تغیر نہ آجائے ،جس کے پیش نظر پانی کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہووہ وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس پانی میں تغیر نہ آجائے۔ تیسرے صاحب کی تحقیق یہ ہوئی کہ حدیث کے مطابق الماء طھور لا ینجسه شیٔ یعنی پانی پاک کرنے والا ہے،اس کوکوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی،وقوع نجاست سے پانی ناپاک ہوتا ہی نہیں،اس میں تغیر ہو یا نہ ہو، کیونکہ حدیث متصل السند اوصافِ ثلاثہ کے تغیر کے بارے میں واقع ہی نہیں ہوئی۔ چوتھے صاحب امام داؤد ظاہری سے متفق الرائے ہوئے کہ پیشاب سے تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے، پاخانہ سے ناپاک نہیں ہوتا، کیونکہ حدیث:لا یبولن احدکم فی الماء الدائم. یعنی تم میں سے کوئی ٹھیرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، یہ حدیث پیشاب کے بارے میں آئی ہے نہ کہ پاخانہ کے متعلق۔ پانچویں صاحب ابن حزم کے ہم خیال ہوئے کہ اگر پانی میں ہی پیشاب کیا جائے تو پانی ناپاک ہوگا اور اگر کسی برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ چھٹے صاحب کا یہ اجتہاد ہوا کہ پانی میں پیشاب کیا جائے یا خارج سے مل جائے بہرصورت وہ پانی ناپاک ہوجاتا ہے مگر صرف اسی کے واسطے جس نے پیشاب کیا ہے، دوسرے کے لیے وہ طاہر ومطہر ہی رہتا ہے۔اب یہ چھ اشخاص ہوئے ،فرض کیجیے کہ یہ سب کے سب ایک ہی مقام پر رہتے ہیں اور پانی کے مسئلہ میں ہرایک کی رائے مختلف ہے اور ہر شخص کا ماخذ حدیث ہی ہے، ہرایک نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دیا ہے تو ایسی حالت میں عوام کی کیا کیفیت ہوگی ، ہرایک اپنے مخالف کے قول کو باطل قرار دے گا اوران مفتیوں میں کتنا شدید اختلاف ہوگا اور کتنے متفرق فرقے بن جائیں گے۔

یہ تو پانی کا ایک مسئلہ ہوا،اس کے علاوہ نماز وروزہ کے سینکڑوں بلکہ بلامبالغہ ہزاروں احکام ایسے ہیں جن میں اختلاف کی پوری گنجائش ہے،سو اختلافات کی وجہ سے کس قدر دنگے اور فساد کی نوبت آئے گی۔ جب ہر شخص اس کا مجاز ہوگا کہ جس کے سمجھ میں جو آئے وہ اس پر عمل کرے اورفتوی دے اور ظاہر ہے کہ انسانی طبیعتیں مختلف اور عقل وفہم جدا جدا ہیں تو پھر اتفاق کس طرح ہوسکتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ عام طور پرلوگوں میں نفسانیت بھری ہوئی ہواور بے دینی و بے علمی کا دوردورہ ہو۔

مذکورہ بالاصورتِ حال جس منصف مزاج کے سامنے ہوگی اس پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گا کہ غیر مقلدیت فتنہ وفساد کی جڑ ہے اوررفع فساد کے لیے اس سے احتراز نہایت ضروری ہے اورکسی خاص مذہب کی پابندی لازمی ہے۔

بلکہ سچ پوچھیے تو غیر مقلدین بھی تقلید سے بچے ہوئے نہیں ہیں، یہ الگ بات ہے کہ وہ خیرالقرون یا اس سے قریب تر زمانہ کے کسی عالم کی تقلید کے شرف سے محروم رہ کر چودھویں صدی کے کسی نام نہاد عالم ومحدث کی تقلید میں پھنسے ہوئے ہیں۔

لیکن چونکہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور امام کا مذہب مدون اورشائع نہیں ،اس لیے انہی چاروں میں سے کوئی خاص مذہب اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

الغرض جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ غیر مقلدیت فتنہ وفساد کا جڑ ہے اور کسی مذہب معین کی تقلید موجب صلاح اور رفع فساد کا ذریعہ ہے تو عدم تقلید ناجائز اور تقلید شخصی واجب بالغیر ہوئی۔

تنبیہ: امام معین کی تقلید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے تمام مجتہدات پر عمل کرنا لازم وضروری ہے، بلکہ امام سے منقول ان کے مستنبط مسائل میں سے جو مفتی بہ ہیں ان پر عمل کرنا کافی ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مجتہد مطلق کا ہی وہ مسئلہ استنباط کیا ہوا ہو، بلکہ مجتہد کے اصول استنباط کے مطابق جو بھی قابل اعتماد عالم (خواہ وہ امام کا تلمیذ ہو یا نہ ہو) اخراج مسائل کرے اور اس پر فتوی دے دیا جائے تو اس پر عمل کرنا صحیح ہوگا اور یہ مجتہد کی تقلید سے اعراض نہ سمجھا جائے گا، یہ ہی معنی تقلید کے ہیں، مثلاً مذہب حنفی میں بھی اکثر مسائل مختلف فیہا ہیں، امام صاحبؒ کچھ فرماتے ہیں اور صاحبین کچھ اور فرماتے ہیں، مگر فتویٰ کسی ایک کے قول پر ہے، پس مسائل مفتی بہا کے اعتبار سے مذہب حنفی میں ایک خاص مذہب نکل آیا تو رفع فساد کے لیے اس کی تقلید کی جائے گی اور یہی درحقیقت تقلید شخصی ہے۔ اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ کبھی امام کے قول پر اور کبھی ان کے تلامذہ کے قول پر عمل کیا گیا تو تقلید شخصی کہاں رہی؟ کیونکہ تقلید شخصی کا ظاہر مفہوم تو یہ ہے کہ ایک ہی شخص کی تقلید اور پیروی کی جائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر لفظ شخص بمعنی "معین" کے ہے، لہٰذا تقلید شخصی کا مطلب "مذہبِ معین" کی تقلید کرنا ہے نہ کہ شخص معین کی۔

اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ مذہب حنفی میں جو مسائل مفتی بہا ہیں ان کا مجموعہ بھی ایک مذہب خاص ہے، لہٰذا اس پر تقلید شخصی کا اطلاق صحیح اور درست ہوا اور اگر شخصی کے معنی شخص خاص لیے جائیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ جہاں کہیں امام صاحب کے تلامذہ یا ان کے اتباع کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا تو وہ بھی مجازاً امام صاحب ہی کی طرف منسوب ہوگا، کیونکہ اصول اجتہاد اور طرق استنباط ان سب کے ایک ہی ہیں، الگ الگ نہیں۔

حسبِ تحقیق علامہ ابن ہمام امام صاحب کے تلامذہ نے صاف کہا ہے کہ ہمارا کوئی قول ایسا نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے اس کی روایت نہ ہو الغرض مذکورہ بالا شرط کے مطابق اقوال مفتیٰ بہا خواہ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ کے ہوں یا ان کے اتباع کے وہ سب امام صاحب ہی کی طرف منسوب کیے جائیں گے اور ان پر عمل کرنا گویا امام صاحب ہی کی تقلید ہوگی، لہٰذا اس پر تقلید شخصی کا اطلاق صحیح ہوگا۔

ائمہ حدیث مقلد تھے:

تقلید سے کوئی زمانہ خالی نہ رہا، ابتدائی دور میں لوگ جس کو عالم متدین پاتے اس کی تقلید کر لیتے، پھر مذکورہ بالا مصالح کی بنا پر حامیان اسلام نے امام متعین کی تقلید مقرر کر دی اور لوگوں کو مطلق العنانی سے باز رکھا، اس کے بعد رفتہ رفتہ تمام مذاہب اہل سنت ختم ہو گئے اور صرف مذاہب اربعہ باقی رہ گئے تب جمہور مسلمان انہی کی تقلید پر متفق اور مجتمع ہو گئے حتی کہ اکابر محدثین بھی دائرۂ تقلید سے باہر نہیں رہے۔

تفصیل ذیل سے آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام ائمہ حدیث نے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام مجتہد کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا ہے اور وہ مقلد رہے ہیں، چنانچہ ان میں سے بعض ممتاز محدثین کے بارے میں یہاں ہم کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں:

امام بخاری:

محمد بن اسماعیل بخاری، صاحبِ صحیح بخاری متوفی ۲۵۶ھ شافعی المذہب ہیں، فقہ شافعی انھوں نے اپنے استاذ حمیدی سے حاصل کیا جو شافعی المذہب ہیں، امام بخاری کے شافعی المذہب ہونے کو بکثرت علماء محققین نے بیان کیا ہے، نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب "انصاف" میں اس کو نہایت بسط وتفصیل سے ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''امام بخاری بہت سے مسائل میں شافعی المذہب ہیں اور کچھ وہ مسائل ہیں جن میں ان کو مرتبۂ اجتہاد حاصل تھا، ان میں انھوں نے امام شافعی کی مخالفت کی ہے۔''

امام مسلم:

حافظ الحدیث امام ابوحسین قشیری صاحبِ صحیح مسلم متوفی ۲۶۱ھ شافعی المذہب ہیں جیسا کہ صاحب کشف الظنون اور حضرت شاہ ولی اللہ نے ''انصاف'' میں اور بہت سے محققین نے ذکر کیا ہے۔

امام ابوداود:

سلیمان بن اشعث سجستانی صاحب سنن ابوداود متوفی ۲۷۵ھ حنبلی المذہب ہیں، اس کو تاریخ ابن خلکان اور حضرت شاہ ولی اللہ نے ''انصاف'' میں ذکر فرمایا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''بستان المحدثین'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''امام ابوداودؒ کے مذہب بارے کے میں اختلاف ہے۔ بعض ان کو شافعی کہتے ہیں اور بعض حنبلی واللہ اعلم۔''

امام ترمذیؒ:

ابوعیسیٰ بن سورۃ الترمذی، صاحبِ جامع الترمذی متوفی ۲۶۹ھ کے متعلق حضرت شاہ صاحب ''انصاف'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ حنفی المذہب ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں اور بعض اہل تحقیق نے ان کو شافعی المذہب کہا ہے۔''

ابن ماجہ متوفی ۲۵۳ھ، دارمی متوفی ۲۵۵ھ ہر دو حضرات حنبلی المذہب ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں جیسا کہ ''انصاف'' میں مذکور ہے۔

امام عبدالرحمٰن احمد نسائی:

متوفی ۳۰۳ھ، صاحبِ سنن نسائی شافعی المذہب ہیں جیسا کہ ان کی کتاب ''منسک'' اس پر دلالت کرتی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ''بستان المحدثین'' میں ذکر فرمایا ہے اور ''جامع الاصول'' میں ہے:

''النسائی کان شا فعی المسلك ، له منا سك الفها علی مذهب الشافعی۔''

نیز مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''شرح سفر السعادت'' میں بھی اس کو بیان کیا ہے۔

لیث بن سعدؒ:

متوفی ۱۷۴ھ، امام بخاری کے استاد اور تبع تابعین میں سے ہیں، حنفی المذہب ہیں، علامہ قسطلانی نے ابن خلکان سے نقل کیا ہے اور صاحب الجواہر المضیہ نے اپنی کتاب میں اور علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری شرح بخاری'' میں لکھا ہے:

''کـان الـلیث اماما کبیرا مجمعاً علی جلا لته و ثقته و کر مه و کان علی مذهب الامام ابی حنیفةؒ قاله القا ضی ابن خلقان ولیس فی کتب الستة من اسمه لیث ابن سعد سواه ،،، انتهی۔''

امام ابو یوسفؒ:

یعقوب بن ابراہیم انصاری، متوفی ۱۸۳ھ، شاگرد امام اعظم ابوحنیفہ حنفی المذہب ہیں، تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ان پر مذہب ابی حنیفہ غالب تھا ہاں بہت سے مقامات پر ان کی مخالفت بھی کی ہے، یعنی جن مسائل میں ان کو مرتبۂ اجتہاد حاصل تھا صرف ان میں مخالفت کی

ہے۔

امام محمد بن حسن الشیبانیؒ:

متوفی ۱۸۷ھ، شاگرد امام اعظمؒ و امام ابو یوسف حنفی المذہب ہیں، انھوں نے فقط ان مسائل میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے جن میں ان کو مرتبۂ اجتہاد حاصل تھا، ان کے حنفی المذہب ہونے کی تصریح صاحب کشف الظنون اور ابن خلقان وغیرہ نے پورے طور پر کی ہے۔

اسی طرح چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کبار محدثین ہوئے ہیں ان کے حالات کی تفتیش کی جائے تو وہ بھی ان مذاہب اربعہ سے خالی نہ ملیں گے ملاحظہ فرمائیے:

حافظ زیلعی، علامہ عینی، محقق ابن ہمام، ملاعلی قاری وغیرہم جو علاوہ فقہ کے علم حدیث میں بھی تبحر رکھتے تھے یہ سب حنفی المذہب تھے، ابن عبدالبر جیسے محدث مالکی المذہب ہیں، نووی، بغوی، خطابی، ذہبی، عسقلانی، قسطلانی، سیوطی وغیرہم جن کا فن حدیث میں ڈنکا بجتا تھا شافی المذہب تھے اور اسی طرح بہت سے علماء و محدثین حنبلی المذہب ہوئے ہیں، علامہ ابن تیمیہ حافظ ابن قیم یہ دونوں حضرات حنبلی تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی تقلید اور اس کا پھیلاؤ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کرام مختلف قصبات اور شہروں میں گئے اور مختلف مقامات پر متمکن اور سکونت پذیر ہو گئے، ارشاد نبوی صلعم کے مطابق "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم یعنی میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں، جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے" تمام صحابہ اپنے اپنے مقام پر مقتدی اور متبوع قرار پائے، اسی طرح تابعین اپنے اپنے علاقوں اور مقامات کے امام بنے اور لوگوں نے ان کی تقلید اور اتباع کی۔

۸۰ھ میں حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفہ میں اور ۹۵ھ میں حضرت امام مالک مدینہ میں پیدا ہوئے، عراقیوں نے امام ابو حنیفہ کو اپنا امام تسلیم کیا اور حجازیوں نے امام مالک کو اپنا مقتدا اور پیشوا قرار دیا۔ ۱۵۰ھ میں بمقام غزہ (فلسطین) امام شافعیؒ کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ مرتبۂ اجتہاد کو پہونچے اور بہت سے لوگ ان کے مقلد اور متبع ہو گئے۔ ۱۶۴ھ میں امام احمد بن حنبلؒ نے شہر بغداد میں ساحتِ عدم سے عالم وجود میں قدم رکھا، بہت بڑے محدث اور امام مجتہد ہوئے، بہت سے لوگوں نے ان کی تقلید اختیار کی، اگر چہ ان ائمہ اربعہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد اور بھی بڑے بڑے مجتہد تھے اور ان کے بھی لوگ مقلد اور متبع تھے، مگر مشیتِ ایزدی اور مرضی ربانی ہوئی کہ ان ائمہ اربعہ کے اتباع اور مقلدین روز بروز افزوں تر ہوتے گئے، نیز ان کے مسائل اجتہادیہ کتابوں میں مدون ہو گئے، بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر نے حدیث وفقہ میں بکثرت کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں جن میں امام اعظم کے مسائل فقہیہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا، حتی کہ خود امام ہمام نے بھی کتابیں لکھیں جیسا کہ علامہ کوثری نے "بلوغ الامانی" کے حاشیہ صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے کہ متقدمین کی مؤلفات میں امام صاحب کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے:

کتاب الرائی، ذکرہ ابن العوام، کتاب اختلاف الصحابہ، ذکرہ ابو عاصم العامری مسعود بن شیبہ، کتاب السیر، کتاب الاوسط، کتاب الجامع، ذکرہ العباس ابن مصعب فی تاریخ مرو، الفقہ الاکبر، الفقہ الابسط، کتاب العالم والمتعلم، کتاب الرد علی القدریہ، رسالۃ امام ابی عثمان البتی فی الارجاء، چند مکاتیب بطور وصایا جو آپ نے اپنے چند احباب کو لکھے اور یہ سب کتابیں مشہور ہیں۔ (منقول از مقدمہ انوار الباری)

درحقیقت ملتِ اسلامیہ کی مثال ایک درخت طوبیٰ کی سی ہے کہ اس شجر طوبیٰ سے چند شاخیں نکلیں، ان میں سے کوئی تو ایک ہاتھ بڑھ کر رہ گئی، کوئی دو ہاتھ اور کوئی اس سے بھی زیادہ بڑھی، مگر اس کی چار شاخیں اتنی بڑھیں اور پھلی پھولیں کہ سارے عالم میں پھیل گئیں اور ان میں بھی ایک شاخ کا تو وہ نشو ونما ہوا کہ چار انگ عالم میں اس نے اپنا سایہ ڈالا اور بلادِ متفرقہ میں اپنا رنگ جمالیا، یہ بڑی شاخ مذہبِ حنفیہ کی ہے کہ تیسری صدی ہجری ہی میں سد سکندری تک جو کوہ قاف میں ہے پہونچ گیا، چنانچہ ۲۴۸ھ میں جبکہ خلیفہ عباسی واثق باللہ نے کچھ آدمیوں کو سد سکندری کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو حنفی المذہب پایا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے ''ریاض المرتاض'' میں بحوالہ سالک المسالک لکھا ہے کہ:

''محافظان سد سکندری کہ کرانجا بودند ہمہ دین اسلام داشتند و مذہب حنفی و زبان عربی و فارسی می گفتند اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔''

عدم تقلید کا آغاز:

تیسری صدی ۲۰۲ھ میں امام ابوداؤد ظاہری پیدا ہوئے، یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور نہایت متبحر عالم تھے، انھوں نے تمام قیاسات کو خواہ خفیہ ہوں یا جلیہ سب کو ترک کر کے ظاہری نصوص پر چلنا اختیار کیا، اسی وجہ سے ان کو داؤد ظاہری کہا جاتا ہے، مسلمانوں کی خاصی جماعت ان کی پیرو ہوگئی جن کو ظاہرہ کہا جاتا ہے۔

چوتھی صدی ۳۰۴ھ میں علامہ ابن حزم کی ولادت ہوئی، علم حدیث میں تبحّر حاصل کیا اور حفاظِ حدیث میں شمار کیے جانے لگے، ابتداءاً یہ شافعی المذہب تھے، پھر داؤد ظاہری کا مذہب اختیار کیا اور آخر سب کو چھوڑ چھاڑ کر خود امام الائمہ بن گئے اور تقلید کو حرام بتلانے لگے، قیاس کے انکار اور نصوص ظاہرہ کو اختیار کرنے کے متعلق کتابیں لکھیں، ائمہ مجتہدین کو سب وشتم کیا اور خوب دل کھول کر برا بھلا کہا اور ان کے حق میں نہایت زبان درازیاں کیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزم کا خوب مذاق اڑایا گیا اور ان کی تالیف کردہ کتابیں جلائی گئیں، پھاڑی گئیں اور دریا برد کی گئیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ اور حافظ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ پیدا ہوئے، یہ دونوں حضرات اکابر فقہاء حنابلہ میں سے ہیں علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، بحر العلوم اور اپنے وقت کے زبردست متکلم تھے، کبار محدثین ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں، مگر یہی حضرات ان کو ''معجب الرائے'' اور ''سیئ العقل'' ٹھیراتے ہیں جیسا کہ ذہبی وغیرہ نے ان کے متعلق بالتفصیل لکھا ہے۔ علامہ ابن بطوطہ نے ''تحفۃ النظار'' میں لکھا ہے:

''كان بدمشق من كبار الفقهاء الحنابلة تقى الدين ابن تيمية كبير الشام يتكلم فى الفنون الّا ان فى عقله شيئاً۔''

یعنی دمشق میں اکابر فقہا حنابلہ سے تقی الدین ابن تیمیہ تھے جو شام میں نہایت معظم اور فنون میں بڑے متکلم تھے، مگر ان کے عقل میں کچھ کمی تھی۔

علامہ ابن قیم کے بارے میں ان کے اوصاف جمیلہ اور کمالات بیان کرنے کے بعد علامہ ذہبی نے المعجم میں لکھا ہے:

''لكنه معجب برأيه سيئ العقل جرى عليه امور۔''

یعنی ابن قیم میں یہ تمام صفات تھیں، مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی رائے کے مقابلہ میں کوئی رائے پسند نہیں کرتے اور ان کی عقل میں بھی کچھ خرابی تھی۔

تنبیہ: عقل میں فطور کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر انھوں نے اجتہاد کیا ہے اور محض اپنی عقل سے کام لیا ہے وہاں لغزش ہوئی ہے۔

بارہویں صدی ہجری کا زمانہ آیا تو محمد بن عبدالوہاب نجدی نمودار ہوئے، یہ تھے تو حنبلی المذہب، مگر اس قدر حد سے تجاوز کر گئے کہ بات بات میں علماء کرام کو مشرک اور کافر بنانے لگے، بہت سے لوگ ان کے متبع ہو گئے خصوصاً شیخ قبیلہ محمد بن سعود نجدی نے ان کے خیالات کو بہت زیادہ اپنایا، آخر جنگ و جدال کی نوبت آئی اور کچھ ممالک ان کے قبضہ میں آ گئے۔ محمد بن سعود کے بعد ان کے بیٹے عبدالعزیز اور عبدالعزیز کے بیٹے سعود تخت نشیں، والی ریاست اور صاحبِ مملکتِ حجاز ہوئے۔

محمد بن عبدالوہاب کی عمر سو (۱۰۰) برس کی ہوئی، ان تینوں والیان ریاست نے محمد بن عبدالوہاب کے خیالات اور ان کے مسائل کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں انتہائی جد و جہد اور سعی بلیغ کی، اس کی وجہ سے روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا حتی کہ سعود بن عبدالعزیز کو حرمین شریفین پر بھی کچھ دنوں کے لیے غلبہ اور تسلط حاصل ہو گیا۔

غلبہ کے زمانہ میں انھوں نے وہاں پر خون ریزی اور فتنہ و فساد کا بازار گرم رکھا، امکنۂ متبرکہ اور مقاماتِ مقدسہ کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا، قبۂ نبوی کے ڈھانے کا بھی ارادہ کیا، مگر یہ نہ ہو سکا، جو لوگ ان کے ہم مشرب نہ تھے ان کو حج بیت اللہ سے بھی روک دیا، اس وقت محمد بن عبدالوہاب شاہ کے مقتدائے دیں بنے ہوئے تھے، وہ جو کچھ بھی فتویٰ دیتے اسی کی تابعداری کی جاتی تھی، اس فرقہ کا لقب وہابیہ تھا، اگر چہ محمد بن عبدالوہاب ۱۲۰۶ھ میں فوت ہو گئے، مگر ان کے متبعین برابر طوفان بے تمیزی اٹھانے میں مشغول رہے۔

سلطان روم اس زمانہ میں روسیوں سے برسر پیکار تھے، اس لیے وہ اس فرقہ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے، بالآخر جب اس فرقہ کا فتنہ حد سے تجاوز کر گیا تب پھر ابراہیم محمد بن علی پاشا والیٔ مصر نے اپنے عساکر سلطانی اپنے ہمراہ لے کر ان لوگوں پر چڑھائی کی اور ۱۲۳۳ھ میں اس جماعت کو درہم برہم کر دیا عبداللہ بن سعود ابن عبدالعزیز کو جو اس وقت امیر نجد تھے گرفتار کر کے سلطان روم کے پاس بھیج دیا اور بقیہ تمام اشرار کا خاتمہ کر کے بلادِ عرب کو فرقہ وہابیہ کے فتنہ و شر سے پاک کر دیا۔

قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اسی نجدی فتنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی وفات کے وقت ان کی عمر ۳۴ برس کی تھی اور فرقہ وہابیہ کے قلع قمع کے سترہ سال بعد ۱۲۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ چونکہ سعود بن عبدالعزیز امیر نجد فرقہ وہابیہ کے سرگروہ اور سردار تھے، ان کے ساتھ قاضی شوکانی کے گہرے تعلقات تھے، ان کے ساتھ خط و کتابت اور نامہ و پیام کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا جیسا کہ خود قاضی شوکانی نے اپنی کتاب ''بدر طالع'' میں اس کا انکشاف کیا ہے اور مزید براں علامہ ابن حزم، حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے متشددین کی تصنیفات پر بھی قاضی شوکانی کی گہری نظر تھی، اس لیے ان کے تشددات بھی حد سے بڑھ گئے تھے، نیز ان میں فرقہ ظاہریہ کی بو بھی سرایت کر گئی تھی جیسا کہ ان کی تالیف کردہ کتابوں سے ظاہر ہے۔

ہندوستان میں جب سے اسلام نے قدم رکھا مسلمانوں کی بھاری اکثریت برابر حنفی المذہب اور امام اعظم ابوحنیفہ کی مقلد رہی، جب اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا اور ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی اور حکومتِ انگلشیہ کی طرف سے مذہبی معاملات سے کوئی تعرض نہ رہا تب تیرہویں صدی ہجری میں جا بجا کچھ ایسے لوگوں نے نشو و نما پایا جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو محض بے اصل سمجھنے لگے، انھوں نے ابن حزم، ابن قیم اور قاضی شوکانی کے خیالات اور ان کے تشددات سے واقفیت حاصل کی اور اہل ظواہر سے بھی متاثر ہوئے، بات بات میں حنفیوں سے اختلاف کرنے لگے اور مقلدین کو بدعتی و مشرک بلکہ کافر تک کہنے لگے۔

غیر مقلدین کو وہابی کیوں کہا جاتا ہے؟

اگر چہ محمد بن عبدالوہاب حنبلی المذہب تھے اور یہ غیر مقلدوں کا فرقہ کسی امام کا مقلد نہیں ہے، مگر چونکہ نجدیوں کے فتنہ وفساد کے اختتام کا زمانہ اور غیر مقلدین کے ظہور کا وقت قریب قریب ایک ہے اور تشددات میں دونوں فرقے ہم قدم ہیں، اس لیے ان کو وہابی کا لقب دیا گیا اور خود یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہنے لگے، اس پر بعض مزاح پسند افراد نے یہ شگوفہ چھوڑا کہ چونکہ یہ لوگ محمد بن عبدالوہاب کے پیرو ہیں اور اس کی تابعداری کرتے ہیں، اس لیے انھوں نے اپنا لقب محمدی رکھا ہے، اس کے بعد یہ حضرات اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحّد کہنے لگے اور مقلدین نے ان کو غیر مقلد کہنا شروع کیا۔

تقلید پر کیے جانے والے اعتراضات کی حقیقت

اب ہم چاہتے ہیں کہ مختصراً ان اعتراضات کو زیر بحث لائیں جو عام طور سے تقلید پر وارد کیے جاتے ہیں، منکرین تقلید کے موٹے موٹے شبہات کا جواب ملاحظہ فرمانے سے پہلے ایک اصولی بات ذہن نشیں کر لیجیے:

تقلید کی دو قسمیں ہیں: تقلید مشروع و تقلید غیر مشروع، تقلید مشروع ایسے مسائل اجتہادیہ میں ہوتی ہے جن میں شرعاً اجتہاد کو دخل ہے اور جنھیں ایسے ائمہ دین نے قرآن وحدیث سے استنباط کیا ہو جو پوری طرح علمی و فقہی حیثیت سے اجتہاد کے اہل ہوں اور جن کا ورع و تقوی اور صدق واخلاص بھی شک وشبہ سے بالاتر ہو اور ان کی یہ صفات اجتہاد فی الدین اور استنباط مسائل شرعیہ کی اہلیت امت کے سوادِ اعظم کے نزدیک مسلم ہوں، بس تقلید کرنے والے اس طرح کے مسائل میں ائمہ کرام پر غایتِ اعتماد کی بنا پر ان کی تقلید کرتے ہیں اور درحقیقت یہی وہ تقلید ہے جو مستحسن بلکہ واجب ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے، اکابر امت کے عمل سے اور فقہاء محدثین کے اقوال سے ثابت ہے اور روز روشن کی طرح عیاں ہے جیسا کہ پچھلے اوراق میں اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

تقلید غیر مشروع اس کا نام ہے کہ ایسے مسائل میں کسی کا اتباع کیا جائے جو منصوص ہیں اور جن میں شرعاً اجتہاد کا دخل نہیں یا ان کا استنباط کرنے والا اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا، مثلاً وہ دیندار یا سرے سے مسلمان ہی نہیں یا علم و تفقہ کے اس مرتبہ پر فائز نہیں جو اجتہاد کے لیے ضروری ہے، اس لیے اس طرح کی تقلید قبیح بلکہ حرام ہے۔

اس تفصیل پر غور کرنے کے بعد غیر مقلدوں کے تقلید کے مسئلہ پر ہر قسم کے شبہات اور اعتراضات کا اجمالی جواب نکل آتا ہے، بلکہ علماء اہل حدیث کے تمام اعتراضات اور شبہات محض ایک مغالطہ اور دھوکہ پر مبنی معلوم ہونے لگتے ہیں، کیونکہ مقلدین کے مقابلہ میں یہ لوگ دعویٰ تو کرتے ہیں تقلید مشروع ممنوع ہونے کا اور دعویٰ کے ثبوت میں دلائل وہ پیش کرتے ہیں جو تقلید غیر مشروع کے رد میں پیش کیے جانے چاہییں، محض تعداد اور شمار بڑھانے کے لیے اہل حدیث کے رسائل میں دلائل تو بہت ذکر کیے جاتے ہیں، مگر ان کی حقیقت اور وزن کا اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بہت ہی کم اور اقل قلیل ہیں، اس لیے یہاں پر ان کے چیدہ چیدہ دلائل کو بعنوان ''شبہات'' ذکر کر کے جوابات لکھے جارہے ہیں:

پہلا شبہہ:

کہا جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی آیتِ ذیل میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے:

واذا قیل لھم اتبعو ما انزل اللّٰہ قالو بل نتبع ما الفینا علیہ اٰبائنا اولو کان اٰبائھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون. (سورہ بقرہ،پ۲)

جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کروان احکام کی جواللہ تعالی نے نازل فرمائے ہیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو اس طریق کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، (حق تعالیٰ بطور رد فرماتا ہے) کیا ہر حالت میں اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے رہیں گے گو ان کے باپ دادا نہ کچھ دین کو سمجھتے ہوں اور نہ حق کی راہ پاتے ہوں۔

جواب: یہ شبہہ سراسر مغالطہ ہے، کیونکہ جن لوگوں کی تقلید کی جاتی ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کفار اور دوسرے ائمہ مجتہدین، کفار کی تقلید حرام ہے اور اسی کو اللہ تعالی نے اس آیت میں رد فرمایا ہے۔اب رہی بزرگان دین اور ائمہ مجتہدین کی تقلید جو عام طور پر مسلمانوں میں رواج پذیر ہے اس سے کسی بھی آیت یا حدیث میں منع نہیں کیا گیا ہے۔غور فرمایئے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باپ دادا کی تقلید کی مذمت کے دو سبب بیان فرمائے ہیں، ایک یہ کہ وہ لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو برملا رد کرتے ہیں اور انھیں تسلیم نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم اس کے بجائے اپنے باپ دادا کی بات مانیں گے۔دوسرے یہ کہ ان کے یہ بزرگ عقل وہدایت سے بالکل کورے تھے اور ہم جس تقلید میں گفتگو کررہے ہیں اس میں یہ دونوں سبب نہیں پائے جاتے جس کی وجہ سے اس آیت میں آباؤاجداد کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔

پہلا سبب تو اس طرح نہیں پایا جاتا کہ کوئی بھی تقلید کرنے والا نعوذ باللہ اللہ ورسول کے احکام کو رد کرکے کسی بزرگ کی بات کو ہرگز نہیں مانتا بلکہ وہ اپنے بزرگ کو شارح قرآن وسنت سمجھتا ہے، دوسرا سبب بھی ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے، کیونکہ اس سے کوئی اہل حق انکار نہیں کرسکتا کہ مقلدین جن ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں ان سے کسی کو کتنا ہی اختلافِ رائے کیوں نہ ہو مگر تمام مخالفین کے نزدیک بھی وہ حضرات ہر اعتبار سے جلیل القدر اور عظیم الشان شخصیتیں ہیں، لہٰذا اس تقلید کو کافروں پر منطبق کرنا سراسر ظلم اور نہایت ہٹ دھرمی ہے۔

دوسرا شبہہ:

کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل آیت میں تقلید کو شرک کہا گیا ہے:

اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللّٰہ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالی کے بجائے اپنا پروردگار بنالیا۔

(سورہ توبہ، پ۱۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی پیشوا کے اوامر ونواہی کی اتباع کرنا شرک ہے، لہٰذا ائمہ مجتہدین کی تقلید شرک ہوئی اور تقلید کرنے والے مشرک ہوئے۔

جواب: یہود ونصاری کے رہبان واحبار محض اپنی رائے سے احکام الٰہی کے خلاف لوگوں کو امر ونہی کیا کرتے تھے اور لوگ ان کو مطاع مطلق جان کر ان کی پیروی کرتے تھے، اس لیے ایسی تقلید کو شرک کہا گیا ہے، بخلاف اس کے اجتہادی مسائل درحقیقت قرآن وحدیث کی مراد و مقاصد کی لیے مظہر ہوتے ہیں اور ان کا اجتہاد قرآن وحدیث سے مستنبط ہوا کرتا ہے، ائمہ مجتہدین کا امر ونہی از خود نہیں ہوتا اور نہ ان کو مطاع مطلق سمجھ کر ان کی پیروی کی جاتی ہے، اس لیے اس تقلید کو کافروں کی تقلید سے کوئی نسبت نہیں اور ائمہ ہدیٰ کی تقلید کی مخالفت اس آیتِ کریمہ

سے ہرگز نہیں نکلتی۔

تیسرا شبہہ:

عن مالك بن انس مرسلا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بها كتاب الله وسنة رسوله. (مشكوة شريف ، باب الاعتصام)

حضرت امام مالک مؤطا میں مرسلاً روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان پر عمل کرو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

اس حدیث میں کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلعم کو قابل عمل اور گمراہی سے بچنے کا ذریعہ قرار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ ان دونوں کے ماسوا امام کے مسائل اجتہادیہ میں اس کی تقلید کرنا جائز نہیں بلکہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

جواب: ائمہ مجتہدین مسائل اجتہادیہ کا استنباط اور استخراج قرآن وحدیث ہی سے کرتے ہیں، لہٰذا ان مسائل کو قبول کرنا عین قرآن و حدیث کی تابعداری ہے، کیونکہ قرآن وحدیث سے مراد عام ہے خواہ اس کے مسائل ظاہرہ ہوں یا اجتہادیہ۔

چوتھا شبہہ:

عن جابر ان عمر بن الخطابؓ اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنسخة من التوراة فقال يا رسول الله هذه نسخة من التوراة فسكت (الى ان قال) فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذى نفس محمد بيده لو بدأ لكم موسى فاتبعتموه وتركتمونى لضللتم عن سواء السبيل. (مشكوة شريف ، ص ٣٢)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایک روز تورات کا ایک نسخہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے رسول خدا! یہ تورات کا نسخہ ہے، آپ خاموش رہے، انھوں نے پڑھنا شروع کیا، آپؐ کے چہرۂ مبارک سے ناراضگی کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے (اس حدیث کے اخیر میں ہے) کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہے اگر تمہارے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائیں اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھے راستہ سے بہک جاؤ گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی تقلید اور تابعداری جائز نہیں تو کسی امام یا مجتہد کی کس طرح جائز اور درست ہو سکتی ہے۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت مستقلہ کے پیغمبر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت شریعتِ موسویہ کے لیے ناسخ ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی جاتی تو مسائل منسوخہ میں بھی اتباع کرنا ہوتی جو شریعتِ محمدیہ کے انکار کو مستلزم ہے اور صریح کفر ہے، اسی لیے "وتركتمونى" ارشاد فرمایا گیا اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں عین اتباع رسول صلعم ہے، اس لیے کہ یہ حضرات حضور پرنور صلعم کے امتی ہیں، آپ کے فرمانبردار ہیں، قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے ہیں اور حضور صلعم کی تابعداری ہی کے غرض سے مسائل اجتہادیہ کا استنباط اور اخراج کرتے ہیں۔

پانچواں شبہہ:

صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں تقلید کا وجود نہ تھا، لہٰذا یہ تقلید بدعت ہوئی، نیز صحابہ کرامؓ افضل امت ہیں اور

ائمہ اربعہ ان مفضول ہیں، اگر تقلید جائز ہوتی تو بجائے ائمہ اربعہ کے صحابہ کرام کی تقلید رائج ہوتی۔

جواب: تعامل صحابہ وتابعین اور خیر القرون کے زمانہ میں تقلید کا پایا جانا اور اس کا رواج اوراق سابقہ میں ثابت کیا جا چکا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ عہد صحابہ وتابعین میں تقلید نہ تھی سراسر غلط اور فریب ہے۔ اب رہا ہمارا یہ دعویٰ کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید جائز ہے، سو اس کے متعلق ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی عبارت پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

ورد ان اعتقاد افضلية الامام على سائر الا مة مطلقا غير لا زم فى صحة التقليد اجما عاً لان الصحا بة والتابعن كانوا يعتقدون ان خير هذه الامة ابوبكر ثم عمر وكا نوا يقلدون فى كثير من المسائل بخلاف قولهما ولم ينكر على ذلك احد فكان اجماعاًعلى ما قلناه. (عقدالجيد ، ص ٧٢)

پہلی بات اس طرح رد کی گئی ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں بالا جماع یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے کہ (میرا) امام باقی تمام ائمہ پر مطلقاً فضیلت رکھتا ہے اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں اور پھر حضرت عمر حالانکہ بہت سے مسائل اختلافیہ میں ان دونوں حضرات کے مخالف دوسرے حضرات کی تقلید کیا کرتے تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا، لہٰذا یہ مسئلہ اجماعی ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تقلید اس لیے ہرگز ترک نہیں کی گئی کہ وہ افضل امت نہ تھے حاشا کلا ، بلکہ ان کی تقلید اس لیے ترک کی گئی ہے کہ ان کے جملہ مسائل مجتہد فیہا مدون نہیں تھے اور ہم تک پہنچے نہیں، بخلاف ائمہ اربعہ کے، ان کے تمام مسائل مدون ہیں اور بآسانی میسر آسکتے ہیں اور ان پر عمل کرنا بہت سہل اور آسان ہے۔

چھٹا شبہہ:

ائمہ مجتہدین خود اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے، پھر ان کی تقلید کس طرح جائز ہوگی اور اسی طرح دوسرے فقہاء لوگوں کو اس سے روکتے تھے۔ اس شبہہ کے دو جواب دیے جاسکتے ہیں:

جواب اول: یہ کہنا کہ ائمہ مجتہدین خود اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے صحیح نہیں ہے، کیونکہ ائمہ کرام لوگوں کو جو فتوی دیا کرتے تھے ان کے فتاوے اکثر وبیشتر دلائل اور ماخذِ استدلال سے خالی ہوا کرتے تھے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ عملی طور پر تقلید کو جائز رکھتے تھے، اسی طرح فقہاء کرام سے بھی عملی طور پر تقلید ثابت ہے۔

جواب ثانی: ائمہ مجتہدین نے جہاں پر تقلید سے منع کیا ہے وہ ان لوگوں کو منع کیا ہے جو خود درجۂ اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے: امام شعرانی فرماتے ہیں:

''وهو محمول على من له قدرة على استنباط الاحكام من الكتا ب والسنة والا فقد صرح العلماء بان التقليد واجب على العامى لئلا يضل فى دينه.'' (میزان الکبری، مطبوعہ مصر، ص ٨٠ ، ج ١)

یعنی تقلید کی ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو پورے طور پر مجتہد ہو، ورنہ علماء کرام تصریح کرتے ہیں کہ غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے، تا کہ وہ اپنے دین میں گمراہ نہ ہو اور فقہاء کرام نے بھی تقلید مذموم اور غیر مشروع سے منع کیا ہے نہ کہ تقلید محمود و مشروع سے، صاحب الیواقیت والجواہر فرماتے ہیں:

''وهو محمول على من اعطى قوة الاجتهاد واما الضعيف فيجب عليه التقليد لاحد من الائمة والا هلك وضل.''

(الیواقیت ، ص ٦٩ ، ج ٢)

یعنی تقلید کی ممانعت مجتہد کے لیے ہے، ورنہ غیر مجتہد پر ایک امام کی تقلید واجب ہے، ورنہ وہ برباد و گمراہ ہوجائے گا۔

ساتواں شبہہ:

مولانا رومیؒ نے اپنی کتاب مثنوی میں متعدد مقامات پر تقلید کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

اسی طرح بوستاں کے باب ہشتم میں لکھتے ہیں:

جواب: یہ بات تو پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے کہ تقلید کی دو قسمیں ہیں، ایک مشروع اور دوسری غیر مشروع، مولانا رومؒ نے جس تقلید کی مذمت کی ہے وہ تقلید غیر مشروع ہے جیسا کہ تقلید کو ''شاں'' سے مقید کرنے سے ظاہر ہے۔

اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ اس شعر سے پہلے مولانا روم نے ایک صوفی کا قصہ بیان فرمایا ہے جو کہ نا اہلوں کی تقلید میں ''خر برفت وخر برفت'' کہتا رہتا تھا اور پھر پچھتا تا تھا تو اس کے متعلق مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ایسی تقلید یعنی نا اہلوں کی جو غافل عن الحق ہیں گمراہی ہے، اس طرح سے جو لوگ گمراہ ہیں ان کی تقلید کی بھی اس کے بعد مذمت فرماتے ہیں:

رہی تقلید مشروع جو اہل اللہ اور مقبول بندوں کی ہوا کرتی ہے اس کی جا بجا مدح اور تعریف بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح شیخ سعدی بھی بوستاں کے بابِ ہشتم میں تقلید غیر مشروع کی مذمت فرما رہے ہیں نہ کہ مشروع کی، تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ شیخ سعدیؒ نے اپنے سفر ہندوستان کی حالت اور مکار برہمن کا قصہ بیان کیا ہے، چنانچہ پہلا شعر یہ ہے:

پھر اس واقعہ کے ضمن میں اس تقلید غیر مشروع کی مذمت کرتے ہیں جو بت پرستوں نے برہمن کی اختیار کر رکھی تھی، بھلا اس کو اہل اللہ اور ائمہ دین کی تقلید سے کیا تعلق ہے جو کہ مشروع و منجی و محمود ہے۔

آٹھواں شبہہ:

بعض حضرات تقلید کی ضرورت کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث سہل اور آسان ہے، اس لیے ان سے احکام کے سمجھنے میں کسی کے واسطہ کی مطلق ضرورت نہیں، چنانچہ قرآن میں ہے:

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر. (سورہ قمر)

اور بلاشبہہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے۔

جواب: اس آیت کے الفاظ پر غور فرمائیے تو صاف معلوم ہوجائے گا کہ قرآن کی وہ آیات آسان ہیں جو وعظ و تذکیر اور نصیحت و عبرت کے مضامین پر مشتمل ہیں، یہی وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''للذکر'' کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی قرآن نصیحت کے لیے آسان کیا گیا ہے۔ رہیں وہ

آیات جواحکام پر مشتمل ہیں سوان کا دقیق ہونا بالکل ظاہروباہر ہے، چنانچہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انزل القرآن علی سبعة احرف ، لکل آیة منها ظهر و بطن ولکل حد مطلع (مشکوة شریف ، بحواله شرح السنة ، ص ۲۱)

قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور ہر حد کے لیے اطلاع کا طریقہ جداگانہ ہے (یعنی ظاہری کے لیے عربی زبان اور باطنی کے لیے قوتِ فہم)

نواں شبہہ:

غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ مقلدین جہاں کہیں اپنے امام کے قول کو حدیث نبوی صلعم کے خلاف بھی پاتے ہیں وہاں بھی وہ حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو نہیں چھوڑتے، حالانکہ خودان کے امام ابوحنیفہ کا قول ہے: ''اترکوا قولی بخبر الرسول ''یعنی جہاں کہیں میرے قول کو خبر رسول کے خلاف پاؤ اس کو چھوڑ دو۔

جواب: ایسی حالت میں امام کا قول ہو یا نہ ہو، وہ فرمائیں یا نہ فرمائیں، حکم نبوی کے خلاف کرنا ایک مسلمان سے قطعاً بعید ہے۔ جو شخص رسول کو برحق جانتا ہو کیا وہ ایسا کرسکتا ہے اور اس قسم کی جرأت اس سے ممکن ہے کہ زید و عمر کے ایسے قول پر جس کو فرمان نبوی کے خلاف جانتا ہو عمل کرے اور اس کے مقابلہ میں قول معصوم کو چھوڑ دے، مسلمانوں پر تو بہ فحوائے کلام ربانی ''ما آتا کم الرسو ل فخذوه ''یہی لازم وضروری ہے کی آپ ہی کا حکم مانیں اور اسی پر عامل ہوں اور آپ کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کی بھی بات نہ مانیں۔ رہی یہ بات کہ مقلدین ایسا ویسا کرتے ہیں، سو یہ غیر مقلدین کی ابلہ فریبی اور بہتان عظیم ہے، کیونکہ مقلد اگر عامی اور اَن پڑھ ہے تو اس بیچارے کو اسی میں تردد ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو مخالف نے پیش کی ہے کس درجہ کی ہے، موضوع ہے یا غیر موضوع، ضعیف ہے یا صحیح و قس علی هذا اور اگر عالم ہے مگر اس کو متقدمین کی طرح علوم دینیہ میں تبحر نہیں، صرف پانچ چھ کتابیں حدیث وفقہ کی پڑھ لی ہیں تو ایسا شخص جب امام صاحب کا کوئی مسئلہ ظاہر حدیث کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کو یقین نہیں ہوتا کہ فی الواقع اس کی مؤید کوئی حدیث نہیں ہے، کیونکہ مروجہ کتابوں میں حدیث کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ دوسری کتبِ حدیث میں اس مسئلہ کی مؤید کوئی حدیث نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس پر عقل ونقل دونوں شاہد ہیں کہ کتب متداولہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث اور آپ کے جملہ اقوال وافعال وتقریرات مندرج نہیں ہیں، خیال فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کا کام ہمہ وقت تعلیم وارشاد تھا شب وروز میں کتنے کام کرتے ہوں گے، کتنی باتیں فرماتے ہوں گے اور صحابہ کرام کے کتنے افعال نظر سے گزرتے ہوں گے اور ان کو پسند فرماتے ہوئے سکوت فرماتے ہوں گے اور یہ سب امور اقسام حدیث میں سے ہیں، پس اگر صحاح مروجہ میں کل حدیثیں درج ہوتیں تو ظاہر ہے کہ ایک بار شتر ہوجاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ پہلے لوگوں کو لاکھوں حدیثیں یاد تھیں، اسحاق بن راہویہ کو ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں، چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ''اتحاف النبلاء ''میں لکھا ہے کہ: ''خود اسحاق گفت کہ ہفتاد وصد ہزار حدیث یاددارم'' مگر پھر بھی صحاح مروجہ میں کوئی ایک بھی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں دس ہزار احادیث ہو۔ جب مروجہ کتب حدیث کا حال یہ ہے تو بہت ممکن ہے کہ ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ کہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے بوجہ قرب زمانہ نبوی صلعم اپنے مسئلہ فقہیہ کی تائید میں کوئی حدیث رکھتے ہوں جو صحاح مروجہ میں نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث جو فریق ثانی نے پیش کیا ہے وہ امام صاحب کے نزدیک قابل احتجاج نہ ہو، اس لیے اس کو قبول نہ

کیا ہواور یہ قبول نہ کرنا کسی طرح بھی مذموم اور قابل اعتراض نہیں ہوسکتا، دیکھئے صحابہ کرام نے بھی بعض اوقات صحیح حدیث کورد کردیا ہے، چنانچہ صحیحین وغیرہ کتب احادیث میں وارد ہے کہ ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا اور کہا کہ میں ناپاک ہوگیا ہوں اور غسل کی لیے پانی نہیں ملتا، حضرت عمر نے اس کونماز پڑھنے سے منع فرمایا تب حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ناپاک ہوگیا تھا، پانی نہ ملاتو میں نے زمین پرلوٹ کر نماز پڑھ لی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو آپ نے تیمّم کی تعلیم فرمائی اور ارشادفرمایا کہ یہ تم کو کافی تھا، ناحق تم مٹی میں لوٹے۔حضرت عمرؓ کو وہ واقعہ یادنہیں رہا، اس لیے حدیث قبول کرنے میں انہیں تردد ہوا بلکہ اس حدیث کو بیان کرنے سے بھی حضرت عمارؓ کو روک دیا۔

غورفرمائیے تیمّم کے بارے یہ حدیث بالکل صحیح ہے، حتیٰ کہ طبقۂ ثانیہ میں بےشمارطریقوں سے اس کوروایت کیا گیا ہےاورلوگ جنابت سے تیمّم کے قائل ہوگئے، مگرحضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کے بیان کو نہ مانا اوراپنی رائے پرقائم رہے۔

اسی طرح فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا کہ میں مطلقہ ثلاثہ ہوگئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے نفقہ وسکنی کچھ مقررنہیں فرمایا، حضرت عمر نے اس کونہیں مانا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کے کہنے سے (خداجانے سچ کہتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے) کتاب اللہ کونہ چھوڑوں گا۔

غورفرمائیے کہ حضرت عمرؓ نے ان احادیث کو کیوں نہیں مانا، کیاان کے دل نے قبول کرلیا تھا کہ بلاشبہ یہ فرمانِ نبی ہےاوراس کا مطلب جو یہ لوگ سمجھتے ہیں وہی درحقیقت رسول اکرم کی مرادتھی پھربھی وہ اپنی رائے پرقائم رہے؟ ہرگزنہیں، ایسی بات تو وہی شخص اپنی زبان سے نکالے گا جوصحابہ کااورحضرت عمرؓ کادشمن ہوگا، بلکہ وجہ یہ تھی کہ یاتو حضرت عمرؓ کوصدق حدیث ہی میں تامل ہوایاوہ یہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرادکچھ اور ہوگی اور یہ لوگ کچھ اور سمجھ گئے ہیں۔

پس اسی طرح مقلدین کوقول نبوی تسلیم کرنے میں کوئی عذرنہیں ہوتا، بلکہ تسلیم نہ کرنے کی وجہ کبھی یہ ہوتی ہے کہ ان کوقول نبی ہونے میں تردداورشک ہوتا ہے یا یہ سمجھتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے امام نے اس حدیث کوکمزوری کی وجہ سے قابل احتجاج نہ جانا ہو، مقلدین یہ سمجھ کر کہ ائمہ مجتہدین اعرف بالسنہ تھے، ان کے بیان کردہ مسائل کتاب وسنت سے مستنبط ہیں اپنے اپنے امام کےقول پرعمل کیا کرتے ہیں، ایسی حالت میں ترکِ حدیث کاالزام ان پرہرگز عائدنہیں ہوتا، اگر ہرحال میں ایسا ''ترکِ حدیث'' باعثِ الزام ہےتو پھرسب سے پہلے صحابہ کرام کی مقدس جماعت پراعتراض عائدہوتا ہے، کیونکہ بعض اوقات وہ حضرات صحیح حدیث کےتسلیم کرنے سے انکارکردیتے تھےاوراپنی رائے پرقائم رہتے تھے جیسا کہ اوپر بیان کردہ حضرت عمرؓ کے واقعہ سے ظاہر ہے، ہاں ترک حدیث کاالزام مقلد پراس وقت عائدہوتا ہے جب کہ مقلدکواچھی طرح معلوم ہوکہ یہ قول نبوی ہےاوراس میں کوئی امرقادح بھی نہیں ہےاور ہمارے امام کاقول صراحتاً اس کے خلاف ہے، پھربھی وہ حدیث کے مقابلہ میں اپنے امام کےقول کوترجیح دےاوراس پرعمل کرے۔

لیکن یہ بات یادرہے کہ یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی درجۂ اجتہادکوپہنچ جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الیواقیت والجوہر'' میں امام ابوحنیفہ کاقول ''اترکوا قولی '' کے متعلق تحریرفرمایا ہے: ''وھو محمول علی من اعطی قوۃ الاجتھاد'' یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن پاک میں جو''فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول'' وارد ہوا ہےاوراس آیتِ کریمہ میں اللہ ورسول کی طرف اختلاف کے وقت رجوع کرنے کاحکم ہےتو یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس میں اس کی

صلاحیت بھی ہو، ہر شخص کا یہ کام نہیں۔

آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس دنیا میں موجود نہیں کہ مسائل اختلافیہ کو آپ سے دریافت کرلیا جائے، اب رہیں کتب احادیث سو احادیث میں نسخ وموضوعیت اور ضعف وغیرہ کا احتمال موجود ہے، اس لیے ان کے ذریعہ اقوال ائمہ کو ردالی اللہ والرسول کرکے باطل نہیں کرسکتے، ہاں اگر کسی شخص کو مرتبۂ اجتہاد حاصل ہوجائے تو اس کو حدیث کے مقابلہ میں اقول ائمہ پر عمل کرنا ہرگز درست نہیں، لیکن عوم الناس یا عالم غیر مجتہد کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید کے بغیر چارہ نہیں۔

فائدہ: جو لوگ حنفی المذہب ہیں ان کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں اور وہ امام کے قول کے مقابلہ میں عمل بالحدیث ناجائز سمجھتے ہیں نہایت غلط اور سراسر بہتان ہے، کیونکہ دارومدار تو عمل بالحدیث ہی پر ہے اور عام حنفیہ تو اپنی کم مائیگی اور کوتاہ علمی کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کی شرح حدیث پر اعتماد کرتے ہیں، نیز قرآن وحدیث پر براہ راست عمل کرنے کے لیے اس کے ناسخ منسوخ، عام وخاص کا جاننا ضروری ہے جن کو وہ عامی ہونے کی وجہ سے نہیں جانتے، اس لیے کسی جاننے والے کا اتباع کرتے ہیں اور اسی اتباع کو وہ تقلید کہتے ہیں۔

اب وہ لوگ یعنی غیر مقلدین جو اپنے آپ کو محمدی کہلاتے ہیں وہ بھی تو ناسخ منسوخ اور عام وخاص جاننے میں کسی نہ کسی کا اتباع کرتے ہیں خواہ وہ اصحاب کتب صحاح ہوں یا ائمہ اربعہ یا ابن قیم وابن تیمیہ اور شوکانی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

چنانچہ حدیث زیارت نبوی صلعم کو ابن تیمیہ نے موضوع کہا ہے اور سفر زیارت صلعم کو سفر معصیت قرار دیا ہے اور سفر زیارت میں نماز قصر کرنے کو منع کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے خاتمۂ فتاویٰ میں اس کو بسط اور تفصیل سے بیان کیا ہے، نعوذباللّٰه من هذه العقيدة ! اور محققین نے اس کو اچھی طرح رد کیا ہے اور حدیث زیارت کو حسن یا صحیح کہا ہے تو اب جو لوگ اپنے آپ کو محمدی قرار دیتے ہیں اور زیارت سے منع کرتے ہیں وہ متبع حافظ ابن تیمیہ ہوئے جن کا عقیدہ اللہ جل شانہ کے بارے میں یہ ہے:

انه بقدر العرش لا اصغر ولا اكبر. اللہ تعالی بقدر عرش کے ہے، نہ اس سے چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔

تعالى اللّٰه عن ذالك علوا كبيرا

ان کے اس عقیدہ کو بھی علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے، نعوذ باللّٰه من ذالك.

اب ہم ان غیر مقلدین سے دریافت کرتے ہیں کہ بغیر کسی ماہر فن کی اتباع اور تقلید کے تم نے کہاں سے جانا کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ ضعیف، یہ موضوع اور یہ ناسخ اور منسوخ ہے، ان چیزوں کے جاننے والے محدثین ہیں یا ائمہ مجتہدین، پھر یہ تو ان کی تابعداری اور تقلید ہوئی، پھر آپ محمدی کہاں سے ہوگئے۔

تنبیہ: تقلید کی مخالفت کرنے والے غیر مقلدین اپنی کتابوں میں تقلید ممنوع کو تو خوب بیان کرتے ہیں اور اس کے دلائل قرآن وحدیث سے لاتے ہیں، مگر تقلید مشروع کو ہاتھ نہیں لگاتے، حالانکہ قرآن وحدیث اور علماء حق کی تصنیف کردہ کتابوں میں تقلید مشروع کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔

خوب یاد رہے کہ جن آیات میں تقلید کی ممانعت ہے اور جن حضرات نے تقلید کو ناجائز کہا ہے وہ ممانعت سب کے حق میں عام نہیں ہے، بلکہ عامی کو عامی کی تقلید اسی طرح مجتہد کو کسی دوسرے مجتہد کی تقلید ممنوع اور ناجائز ہے نہ کہ مطلقاً، کیونکہ مجتہد کو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور عامی کو عالم اور صاحب اجتہاد کی تقلید اور پیروی کرنی ہوگی اور یہی حکم عالم غیر مجتہد کا ہے، کیونکہ یہ لوگ کتب فقہ معتبرہ پر عمل کرتے ہیں تو

درحقیقت یہ عمل قرآن وحدیث کے موافق ہوگا، کیونکہ وہ مسائل قرآن وحدیث ہی سے نکالے گئے ہیں، ایسے لوگوں کو مشرک کہنا بے جا جسارت بلکہ جہالت ہے۔

بعض لوگ فقہ سے نفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقہ لوگوں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور ائمہ مجتہدین کو برا کہتے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور فقہاء کرام پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ یہ بات ان کی غلط اور جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ ائمہ مجتہدین تو تمسک قرآن وحدیث ہی سے کرتے ہیں اور اسی سے مسائل جزئیہ کا استنباط کرتے ہیں، چنانچہ ''اشباہ والنظائر'' میں ہے کہ فقہ حدیث کا ثمرہ ہے، یعنی متخرج من الحدیث ہے اور فقیہ کا ثواب کسی طرح محدث سے کم نہیں، اسی طرح علامہ قسطلانی نے مقدمہ شرح بخاری میں نقل کیا ہے:

''ولیس ثواب الفقیه دون ثواب المحدث فی الاٰخرة ولا عزة باقل عز المحدث''

دسواں شبہہ:

ائمہ اربعہ کی تقلید پر اہل حدیث کا ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ نزاعی اور اختلافی مسئلہ میں اہل خرد کے نزدیک ایک جانب ہی حق مقصود ہوسکتا ہے اگر دونوں جانب حق تسلیم کیا جائے تو اجتماع متناقضین ماننا پڑے گا جو عقلاً محال ہے، تو یہ کس طرح مانا جاسکتا ہے کہ چار مذاہب: حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی برحق ہیں جبکہ بہت سے مسائل میں ان ائمہ کے درمیان شدید اختلاف ہے، ایک امام کہتا ہے کہ نماز میں مقتدیوں پر قرأۃ فاتحہ واجب یا مستحب ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ حرام ومکروہ ہے۔ کسی امام کے نزدیک چند اور مواقع متعینہ میں رفع یدین مسنون ہے تو دوسرے کے نزدیک رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت سنت ہے۔ کوئی آمین بالجہر کو سنتِ دائمہ بتلاتا ہے تو دوسرا اخفاء کو سنتِ قائمہ کہتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے مسائل میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے، اب اگر چاروں مذہبوں کو برحق مانا جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ قرأۃ مقتدی واجب بھی ہے اور حرام بھی، رفع یدین مواقع معلومہ میں سنت بھی ہے اور غیر سنت بھی اور آمین بالجہر مسنون بھی ہے اور غیر مسنون بھی، یہ تو وہی اجتماع متنافیین اور اضداد کا جمع ہونا ہے جو تمام عقلاء کے نزدیک ممتنع اور محال ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کو حق کہا جائے اور باقی دوسروں کو ناحق تو ترجیح بلا مرجح ہوگی اور یہ مشکل ہوگی کہ کس کو حق کہیں اور کس کو ناحق، اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی کی تقلید اور پیروی نہ کی جائے بلکہ صرف قرآن وحدیث کی پیروی کی جائے۔

یہ ہے شبہہ کی وہ تقریر جس سے عوام کو ائمہ ہدیٰ کی تقلید اور پیروی سے روکا جاتا ہے اور قرآن وحدیث کی آڑ میں اپنا مقلد اور پیرو بنایا جاتا ہے۔

اس شبہہ کے دو جواب ہیں، ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی۔

اجمالی جواب: ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک امام نے بے شمار جزئی مسائل کو آیات محتمل المعانی سے اس طرح ثابت کیا ہے کہ معانی المحتملہ سے ایک معنی کو بقرائن وشواہد راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دے کر راجح معنی پر بنائے مسئلہ قائم کی اور مرجوح معنی کی طرف التفات نہیں کیا، اسی طرح حدیث متناقضہ سے مسائل جزئیہ کو اس طور سے اخذ کیا ہے کہ اپنی تحقیق وتفتیش کے مطابق حسبِ قواعد وضوابط ترجیح دے کر ایک حدیث کو معمول بہ قرار دیا اور دوسری حدیث کو متروک اور غیر معمول بہ سمجھا، اس طرح سے ہر امام کے نزدیک جو جو مسائل ثابت ہوتے گئے وہ کتابوں میں مدون ہوتے گئے، آخر کار ان مجموعۂ مسائل کا نام مذہب ومسلک مشہور ہوگیا۔

اب چونکہ بنی آدم فطرتاً فراست وفقاہت میں مختلف المراتب ہیں جیسا کہ آیتِ قرآنی ''وفوق کل ذی علم علیم ''اس بات پر مشیر ہے، ادھر اسباب ترجیح محدثین اور مجتہدین میں مختلف فیہ ہیں، کسی کے نزدیک مدار ترجیح سند کی قوت وضعف ہے اور کوئی تقدم وتأخر زمانہ کو مدار ترجیح قرار دیتا ہے اور کوئی صحابہ کے تعامل وتوارث کو اور کوئی رُوات کے اوصاف کو ترجیح کا مدار سمجھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین رُوات کی جرح وتعدیل میں بہت زیادہ مختلف الخیال ہیں۔ اب چونکہ اسباب ترجیح میں اور ارباب علم مراتب علمیہ میں فطرتاً مختلف الاستعداد ہیں تو ضروری نہیں ہے کہ جو جانب ایک امام کے نزدیک راجح ہو وہ دوسرے کے نزدیک بھی راجح ہی ہو، ہوسکتا ہے کہ معاملہ برعکس ہو اور ہے بھی اسی طرح جیسا کہ بہت سے مسائل جزئیہ میں ائمہ کے باہمی اختلاف سے ظاہر ہے، چونکہ اس اختلاف کا منشاء اور مبنیٰ درحقیقت حسن نیت اور طلب صادق ہے، اس لیے بمقتضی (اختلاف امتی رحمة) امت کے حق میں باعث رحمت ہے اور یہ اختلاف ہر طرح سے محمود اور پسندیدۂ رسولؐ ہے، چنانچہ آپ کے زمانہ سے برابر چلا آرہا ہے اور تا قیامت رہے گا، جو شخص دنیا میں اس اختلاف کو مٹانا چاہے وہ نہایت نادان، بیوقوف اور فطرتِ خداوندی کا مقابلہ کرتا ہے جو عادتاً محال ہے۔

اب ہم مدعیان اہل حدیث سے دریافت کرتے ہیں کہ جس طرح ان ائمہ عظام نے مسائل کو ثابت کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے کہ آیت محتمل المعانی سے کسی ایک معنیٰ کو لیتے ہیں اور کسی کو ترک کرتے ہیں، اسی طرح احادیث میں سے کسی حدیث پر اسے راجح سمجھ کر عمل کرتے ہیں اور کسی کو مرجوح خیال کر کے متروک العمل قرار دیتے ہیں، کیا تم بھی اثباتِ مسائل کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ؟ اگر تمہارا طریقہ بھی وہی ہے جو ائمہ اربعہ کا ہے تو پھر کیوں اور کس وجہ سے ان مذہب اربعہ کو تو چھوڑ دیا جائے اور تمہارا مسلک اختیار کیا جائے، نہ تم جملہ معانی محتملہ قرآنی پر عامل ہو اور نہ وہ حضرات اور اسی طرح نہ تم جمیع احادیث مرویہ پر عمل پیرا ہو اور نہ ان حضرات نے عمل کیا ہے، تو پھر تمہارے مسلک نو ایجاد کو ان مذاہب پر کیا فوقیت اور برتری ہے، علاوہ ازیں ان مذاہب میں سے ہر مذہب کو اپنے سوا تین مذہبوں سے اختلاف ہے اور بقول آپ کے یہ اختلاف وجہ ہے کہ وہ ترک کے قابل ہیں تو پھر تمہارے مذہب کو تو چار مذاہب سے اختلاف ہے تو یہ پانچواں مذہب کیوں قابل ترک نہ ٹھہرے گا جبکہ اختلاف ہی ترک کو مقتضی ہے تو وہ چار میں ہو یا پانچ میں سب ہی متروک العمل ہونے چاہئیں اور اگر یہ خیال ہے کہ ہمارا طریق عمل قابل اخذ ہے اور ان ائمہ کا طرز عمل قابل ترک ہے، کیونکہ ان ائمہ کو اصابتِ رائے میسر نہیں ہوئی اور ہم کو نصیب ہوئی تو یہ خیال کوئی بھی ہوش منداور سلیم العقل کیوں قبول کرے گا۔

بھلا جن لوگوں کو خیر البشر صاحبِ شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قرب حاصل ہو اور صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کا شرفِ صحبت اور ملاقات میسر ہو اور سلسلہ روایت میں دو تین واسطوں سے زائد کی ان کو ضرورت نہ ہو اور زہد وتقوی میں ضرب المثل ہوں اور تحصیل علم میں ہر طرح جویاں وپویاں ہوں ان کو تو اصابتِ حق حاصل نہ ہو اور جن کو ان فضائل جلیلہ میں سے کوئی معتد بہ حصہ نہ ملا ہو ان کو نفس الامری حق میسر ہو جائے کس قدر لغو خیال اور مضحکہ خیز بات ہے!

''کبرت کلمة تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا''

بایں ہمہ سابقین کو تو عامل بالقرآن والحدیث نہ کہنا اور اپنے گروہ قلیلہ کو اس نام کے ساتھ موسوم کرنا سراسر ہٹ دھرمی نہیں ہو تو اور کیا ہے؟

غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شرک وبدعت ہے اور مقلدین خدا ورسول کے نافرمان ہیں، دوزخ ان کا مقام ہے، تقلید کو

چھوڑ دو اور قرآن حدیث پر عمل کرو کس قدر لغو اور باطل ہے۔۔۔ذرا انصاف فرمایئے جبکہ غیر مقلدین کا عمل بھی وہی ہے جو حضرت ائمہ کا تھا یعنی راجح پر عمل کرنا اور مرجوح کو چھوڑ دینا تو پھر ائمہ ہدیٰ کی پیروی سے عمل بالقرآن والحدیث کیوں حاصل نہ ہوگا اور ان کی پیروی سے کیسے حاصل ہو جائے گا، اربابِ دانش ذرا غور فرمائیں کہ متقدمین کی تابعداری بہتر ہے یا پچھلے تنگ خیال لوگوں کی!

درحقیقت سلف صالحین کی تقلید سراسر رشد و ہدایت ہے اور ان غیر مقلدوں کی کورانہ تقلید سراسر گمراہی ہے، حق بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حضوری حاصل نہیں ہے ان کو بغیر تقلید کے کوئی چارۂ کار نہیں، ہاں اگر نظم قرآن میں تعدد معانی نہ ہوتا اور احادیث میں تعارض و تناقض نہ پایا جاتا اور طبائع انسانی مختلف الاستعداد نہ ہوتیں تو تقلیدِ سلف کی چنداں ضرورت نہ ہوتی، مگر جبکہ یہ سب امور موجود اور متحقق ہیں تو پھر سلف کی تقلید نہایت ضروری اور لازمی ہے۔

تفصیلی جواب: قرآن و حدیث کے مضامین میں اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو ان تمام مضامین کی چھ قسمیں نکلتی ہیں:

(۱) اعتقادیات جن پر قلبی اذعان اور پختہ یقین کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

(۲) وہ اعمال و اشغال جن کا تعلق تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق سے ہے۔

(۳) قصص و حکایات یا امثال و عبر جن سے ترغیب و ترہیب مقصود ہے۔

(۴) وہ قطعی اور غیر متعارض احکام جن کا تعلق طریق عبادت یا تشریع معاملات سے ہے۔

(۵) وہ فروعی احکام جو آیات و احادیثِ متعارضہ سے ثابت کیے جاتے ہیں۔

(۶) وہ احکام جو آیات و احادیث سے صراحتاً ثابت نہیں ہوتے بلکہ دلالتاً یا اقتضاءً یا اشارۃً یا اور کسی طریقۂ خفیہ سے سمجھے جاتے ہیں اور ان میں اجتہاد کو دخل ہے یعنی مسائل قیاسیہ۔

اول چار قسم کے مضامین قرآن و حدیث کا لب لباب ہیں، ان کے مقاصد بہت اعلیٰ ہیں اور ان پر کاربند ہونا نفوس انسانی کے لیے ذریعۂ نجات اور موجب فلاح ہے اور یہی وہ مضامین عالیہ ہیں جن پر صحابہ کرام سے لے کر اب تک تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق رہا ہے اور اسی اتحاد و اتفاق پر فرقۂ ناجیہ کا تمام باطل فرقوں سے امتیاز کا دارومدار رہا ہے اور یہی فرقہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "ما انا علیہ و اصحابی" کا مصداق ہے، ان مضامین میں ائمہ اربعہ باہم متفق اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر گامزن اور عامل بالقرآن والحدیث ہیں۔۔

رہی پانچویں قسم چونکہ وہ احکام ہی اس طرح کے ہیں ان کے بارے میں آیات محتمل المعانی اور احادیث متعارضہ وارد ہوئی ہیں، اس لیے ان احکام میں خود شارع علیہ السلام نے اجتہاد کا حکم صادر فرمایا ہے جیسا کہ حدیثِ معاذ سے ظاہر ہے، اس کی تعمیل حضرات صحابہ نے بھی کی ہے اور ائمہ اربعہ نے بھی، لہٰذا اس میں بھی ائمہ اربعہ صحابہ کرام کے متبع اور پیرو ہیں، صحابہ کرام نے بعض مواقع پر صحیح حدیث کو کسی آیت یا کسی مشہور حدیث سے متعارض ہونے کی بنا پر چھوڑ دیا ہے۔

دیکھئے! حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عائشہؓ نے فاطمہ بن قیس کی اس حدیث کو رد کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ "معتدۃ الثلاث" کا سکنیٰ اور نفقہ واجب نہیں اور اس کے مقابلہ میں آیت قرآنی "وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین" سے استدلال کیا ہے اور حضرت عائشہؓ نے حدیث "المیت یعذب ببکاء الحی علیہ" کو آیت قرآنی "ولا تزر وازرۃ وزر اخری" سے متعارض سمجھ کر رد فرما دیا۔ اسی طرح شبِ معراج میں رویتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ رہا ہے، بعض حضرات بوجہ آیت "لا تدرکہ الابصار وھو یدرک

الابصار ''رویتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور بعض اس کو ثابت کرتے ہیں۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ کس کا قول صواب ہے اور کس کا خطا ہے، ہمارا مقصد تو یہاں پر صرف یہ بتلانا ہے کہ صحابہ کرام میں کسی حدیث کا رد یا انکار بوجہ دوسری دلیل قوی کے مروج اور معمول بہ رہا ہے، لہٰذا یہ طریقہ بھی سنت صحابہ میں داخل ہے جو آج تک ائمہ اربعہ اور محدثین کبار میں جاری وساری ہے۔ پس جس طرح صحابہ کرم باوجود اس رد وانکار کے عامل بالقرآن والحدیث سے باہر نہیں ہیں ان پر یہ الزام عائد کرنا کہ انھوں نے قرآن وحدیث چھوڑ دیا ہے محض فریب نفس اور سفسطہ ہے۔

نیز جس طرح صحابہ کرام باوجود بعض مسائل میں اختلاف باہمی کے مہتدی اور راہ یاب ہیں جیسا کہ حدیث رزین کا یہ جملہ ''فمن اخذ بشیٔ مما ھم علیہ من اختلا فھم فھو عندی علی ھدی ''مشیر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نصوص محتمل المعانی اور احادیثِ متعارضہ میں مقصدِ شارع یہ ہے کہ علماء امت یقین مراد میں نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد واستنباط کریں، اگر اصابتِ رائے حاصل ہوگئی تو دوہرا ثواب ملے گا ورنہ ایک ثواب تو ضرور ہی ملے گا۔ اللہ ورسول کے نزدیک اس تلاش وجستجو ہی کا نام ہدایت اور ہدیٰ ہے، صرف اصابت رائے ہی کا نام ہدایت نہیں۔

درحقیقت ہدیٰ وہدایت اس طور وطریقہ پر چلنے کو کہتے ہیں جو خدا اور اس کے رسول کو پسند ہے، اسی وجہ سے حدیث رزین میں ارشاد ہے''فھو عندی علی ھدی ''لہٰذا یہ خیال سراسر غلط ہے کہ جس کو اصابتِ حق نہیں ہوئی وہ گمراہ ہے، ورنہ بعض صحابہ کو مختلف فیہ مسائل میں معا ذ اللہ گمراہ کہنا شرعاً جائز اور درست ہوگا، حالانکہ ایسا کہنا بھی ذی ہوش کے نزدیک درست نہیں بلکہ از روئے حدیث بالا بھی راہ یاب اور مہتدی ہیں، دراصل گم کردہ راہ اور گم کردہ مقصود میں بہت بڑا فرق ہے، اول کو شرعاً ضال کہتے ہیں جو راہ حق کا تارک اور اصل مقصود کا فاقد ہے اور دوسرے کو مہتدی کہتے ہیں جو مستحق ثواب ضرور ہے اگر چہ مصیبِ حق نہیں اور اگر مصیب حق بھی ہو تو وہ مہتدی بھی ہوگا اور مفلح بھی کہلائے گا، اس طرح طالبِ شئی کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

اول: ضال، جو راہ اور مقصود دونوں کا تارک ہوتا ہے۔

دوم: مہتدی خاطی، جو رہ یاب ہے، حق یاب نہیں مگر مستحق ثواب ضرور ہے۔

سوم: مہتدی مصیب، جو راہ یاب بھی ہے اور حق یاب بھی، یہ دوہرے ثواب کا مستحق ہے۔

اب یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مذاہبِ اربعہ کے برحق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اختیار کرنے والے سب عند اللہ راہ پسندیدہ پر چلنے والے ہیں اور سب اللہ کے نزدیک ماجور ومشکور ہیں، کسی کی خطا وغلطی پر انشاء اللہ مؤاخذہ ومناقشہ نہ ہوگا، یہ معنی نہیں کہ سب مصیبِ حق ہیں، کیونکہ یہ معنی بدیہہ البطلان ہیں، اس لیے کہ حق متعدد نہیں ہوسکتا، حق تو نفس الامر میں ایک ہی ہوسکتا ہے۔ نیز یہاں پر اس فرق کو بھی خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ راہ حق پر ہونا اور چیز ہے اور حق پر پہونچ جانا اور چیز ہے، پہلے معنی کے اعتبار سے مذاہب اربعہ کو علی الحق کہا جا تا ہے، کیونکہ وہ سب کے سب شارع کے پسندیدہ طریقہ پر گامزن ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے''المجتھد یخطی ویصیب ''ہر مجتہد کا مسلمہ مسئلہ ہے، کیونکہ ہر مذہب میں خطا وصواب کا احتمال ہے۔

الحاصل آیاتِ متعارضہ اور احادیثِ متناقضہ میں جو مسلک صحابہ کرام کا تھا وہی بعینہ ائمہ اربعہ کا ہے، سر مو فرق نہیں، لہٰذ جس طرح حضرات صحابہ مہتدی تھے اسی طرح حضرات ائمہ اربعہ بھی مہتدی ہیں، اہل حدیث ہزار بار سر پٹخیں، تفرقہ کی کوئی وجہ موجہ بیان نہیں کر سکتے''ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا''۔

اب رہا قرآن وحدیث کے مضامین کی چھٹی قسم کا معاملہ یعنی وہ احکام جو آیات واحادیث سے صراحتاً ثابت نہیں ہوتے بلکہ دلالتاً یا اشارتاً یا اقتضاءً یا اور کسی مخفی طریقہ سے سمجھے جاتے ہیں اور ان میں مجتہدین اجتہاد کرتے ہیں جن کو مسائل قیاسیہ کہا جاتا ہے تو اس میں تو کوئی اشکال ہی نہیں، کیونکہ یہاں ایک قیاس دوسرے قیاس سے متعارض ہوتا ہے، کسی آیت یا حدیث سے تعارض نہیں ہوتا اور اس کے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ جب آیت وحدیث سے کسی مسئلہ کا پتہ نہ چلے تو اپنی رائے سے اجتہاد واستنباط کرو۔

حدیث معاذؓ ملاحظہ کیجیے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "الحمدللّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ لما یرضی بہ رسول اللّٰہ" لہٰذا مجتہدین کے اجتہاد کی ضرورت دو ہی مقام پر ہوتی ہے، ایک وہاں کہ جہاں پر دلائل متعارضہ بالنصوص محتمل المعانی کسی امر کے متعلق وارد ہوں اور دوسرے اس جگہ کہ آیات واحادیث سے صراحتاً ایک چیز کا حکم اور حال نہ معلوم ہوتا ہو تو لامحالہ وہاں پر بذریعہ قیاس صحیح اس کا حکم دریافت کیا جائے گا، ایسے ہی احکام کو مسائلِ قیاسیہ یا احکام مستنبطہ کہا جاتا ہے اور یہی وہ مواقع ہیں جہاں پر رائے اور اجتہاد سے کام لینا شرعاً محمود ہے اور یہ طریقہ اللہ اور رسول کو پسند ہے، اس میں اصابت حق ہو یا نہ ہو ثواب اور اجر ضرور ملے گا، لہٰذا ائمہ مجتہدین ان آخری دو قسموں میں بھی عامل بالقرآن والحدیث ہیں جس طرح پہلے چار قسموں میں عامل بالقرآن والحدیث تھے، لہٰذا سفہائے زمانہ کا یہ زعم کہ ائمہ اربعہ کی تقلید اور ان کی اتباع میں عمل بالقرآن والحدیث ہاتھ سے جاتا رہتا ہے محض نادانی اور تلبیس شیطانی ہے۔

اچھا اگر ان کا یہ خیال بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو کیا ان سفہاء کی پیروی میں یہ بات نہیں ہے؟ یقیناً ہے، ان کا مسلک نہ تمام احادیث کے مطابق ہے اور نہ تمام صحابہ کے موافق، انھوں نے مذاہبِ قدیمہ سے کچھ کاٹ چھانٹ کر ایک نیا مسلک قائم کرلیا ہے، اس میں بھی یہ خدشہ موجود ہے جو دوسرے مذاہب میں ہے، پھر فقہائے کاملین کی تابعداری چھوڑ کر ان کی پیروی کرنا کونسی عقلمندی ہوگی اور اس میں کونسا زاید ثواب ہے۔

اعاذنا اللّٰہ تعالیٰ عن امثال ھذہ الوساوس

اندھی تقلید

کہا جاتا ہے کہ اندھی تقلید کی مخالفت ہے، کورانہ اور جامد تقلید سے روکا جاتا ہے۔۔۔ معلوم نہیں کہ وہ اندھی اور جامد تقلید کیا ہے اور کون اس کا داعی اور مبلغ ہے۔

ہمارے دور میں اندھی تقلید کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے، قرآن کی نظر میں کورانہ تقلید یہ کہ گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کی جائے، قرآن پاک نے جہاں کہیں تقلید کی مذمت کی ہے اسی قسم کی تقلید کی کی ہے، جب کبھی قرآن نے کفار کی بے تکی اور نامعقول باتوں پر دلائل کا مطالبہ کیا تو ان کے پاس ایک ہی جواب تھا:

وقالوا انا وجدنا آباء نا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون

کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ اور دادوں کی روش یہی دیکھی ہے، اس لیے ہم ان ہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔

اس پر قرآن مجید نے جو اعتراض کیا وہ یہ نہیں تھا کہ آباو اجداد کی تقلید غلط ہے، بلکہ یہ تھا:

اولو کا ن آباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون

تمہارے باپ دادوں میں عقل وہدایت کا کوئی شمہ بھی نہ ہو پھر بھی تم ان ہی کی تقلید کیے چلے جاؤ گے۔

دوسری جگہ ذرا نرم لہجہ میں ارشاد ہے۔

قد اولو جئتکم باھدی مما وجدتم علیه آباء کم قالوا انا بما ارسلتم به کافرون

آپ کہہ دیجیے، اگر چہ میں تمہارت سامنے وہ رائے پیش کروں جو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہو جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، انھوں نے جواب دیا جو طریق تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم تو اسے مان نہیں سکتے۔

اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ اگر ان کے آباؤاجداد میں عقل کی روشنی اور نور ہدایت ہوتا تو قرآن کو ان کی تقلید پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا ،اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں کورانہ اور اندھی تقلید گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کرنا ہے اور اس کے بالمقابل روشن خیالی یہ ہے کہ ہدایت اور عقل کی بات کی پیروی کی جائے۔

آج کے دور میں عالم غیب کی بلند سے بلند حقائق، الٰہیات کے عمیق سے عمیق معارف اور اس کے علاوہ انبیاء علیہ السلام کی ان تمام باتوں کو ان کے اعتماد پر مان لینا جن کو ان کی سچی نظروں نے خود دیکھا یا فہم سلیم سے اچھی طرح سمجھا کورانہ اور اندھی تقلید کہلاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں یورپ کے فلاسفروں اور مؤرخوں کی ناتمام اور ادھوری تحقیقات کو پورے یقین کے ساتھ مان لینا روشن خیالی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اگر بغور دیکھا جائے تو اختلاف دلائل کے ہونے اور نہ ہونے کا نہیں بلکہ اعتماد اور بے اعتمادی کا ہے۔

عصر حاضر کے موجدین اور سائنس دانوں پر چونکہ پورا اعتماد حاصل ہے، اس لیے ان کی باتیں دلیل سے یا بے دلیل ماننا روشن خیالی میں شمار ہے اور انبیاء علیہم السلام پر چونکہ دلی گہرائیوں میں وہ یقین حاصل نہیں ہوتا، اس لے یہاں ان کی تصدیق کے لیے ان کے فرمان سے بھی بڑھ کر کسی اور دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے اور ان کی باتیں بے دلیل ماننا اندھی اور جامد تقلید نظر آتی ہے۔

اسی طرح قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے کے لیے ائمہ مجتہدین کو شارح قانون مان کر ان کی شرح وتعبیر پر اعتماد کرنا اور ان کی پیروی کرنا ایک طبقہ کے نزدیک اندھی تقلید ہے اور اس کے مقابلہ میں خودرائی اور آزادروش اور کسی کے متفردات پر عمل پیرا ہونا روشن خیالی سمجھا جاتا ہے۔فیا للعجب!

علامہ شعرانی اپنی کتاب ''المیزان'' میں لکھتے ہیں:

''اے عزیز اگر تو بہ نظر انصاف دیکھے گا تو یہ حقیقت منکشف اور واضح ہو جائے گی کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلد سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں اور یہ امر ذہن نشین ہو جائے گا کہ ائمہ اربعہ کے مسالک شریعتِ مطہرہ میں داخل ہیں اور ان کے مختلف اقوال امت کے لیے رحمت ہو کر نازل ہوئے ہیں۔''

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ

امام صاحب کے حالات ذکر کرنے سے پہلے یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ تذکرہ صرف تعارف کی حد تک ہے، ان کے حالات زندگی کی تفصیلات یا ان پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں کہ اس کے لیے بڑی فرصت درکار ہے، پھر اس کا یہ محل بھی نہیں۔ اس مختصر تذکرہ سے اجمالاً یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام اعظمؒ حفظ و دیانت، عبادت و عادت، اخلاق و عقل اور فہم و فراست میں کتنا بلند پایہ رکھتے تھے، امام صاحب کا یہ تذکرہ صرف عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے، اس مختصر تذکرہ کو بصیرت کے ساتھ پڑھیے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کیسے تھے اور ان کا کیا مرتبہ تھا۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

تاریخ کا یہ بھی تعجب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بکھری جاتی ہے، اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت و عقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی۔

خطیب بغدادی نے پورے سو صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے، پہلے امام صاحب کے مناقب میں صفحے کے صفحے رنگ دیئے ہیں، اس کے بعد تقریباً اتنے ہی صفحات پر آپ کی ذات میں وہ نکتہ چینیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کسی بدتر سے بدتر آدمی پر بھی نہیں کی جا سکتیں۔

ایک متوسط عقل رکھنے والا انسان ان متناقض بیان کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسی دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی یہ طویل فہرست صرف مخترع حکایات اور صریح بہتان ہے۔

مؤرخ ابن خلقان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تردید کی ہے:

''وقد ذكر الخطيب فی تاریخه منها شيئا كثيراً ثم اعقب ذالك بذكر ما كان الاليق تركه والاضراب عنه مثل هذا الاما م لا يشك فی دينه ولا فی ورعه ولا فی حفظه ولم يكن يعاب بشئ سوىٰ قلة العربية.'' (جلد۲:ص۱۶۵)

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے، اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا، کیونکہ امام اعظم جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہہ کیا جا سکتا ہے، نہ حفظ و ورع میں آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

امام صاحبؒ کے خلاف جس قدر مواد جمع ہو سکتا تھا خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اس کو یکجا جمع کیا ہے جس کو ہر جگہ کے غیر مقلدوں نے شائع کیا ہے، مگر علامہ کوثری نے ''تانيب الخطيب'' میں ہر واقعہ کی سند پر کلام کر کے اس کی قلعی کھول دی ہے اور امام صاحب اور ان کے اصحاب کے بارے میں جس قدر جھوٹی روایات اور حکایات گڑھی گئی تھیں سب کا جھوٹ نمایا کر کے امتِ مرحومہ پر احسان عظیم کیا ہے۔

یہاں یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات، آپ کی تعدیل و توثیق اور جارحین کی جروح کے مدلل جوابات کے سلسلہ میں جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے اس کا ماخذ حضرت العلام مولانا عبدالغفار اعظمیؒ کا ایک غیر مطبوعہ قلمی رسالہ ہے جو مجھ کو قیام بنارس کے زمانہ میں دستیاب ہوا تھا۔ حضرت مولانا عبدالغفار صاحبؒ مئو ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے، اپنے زمانہ کے متبحر عالم، محقق اور علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور فقیہ العصر مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی کے استاد اور مربی تھے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ درجہ کے مقدس مجتہد، محدث، ثقہ،صدوق، زاہد، عارف، خاشع اور متورع تھے، ان کے مناقب و فضائل میں محدثین اور علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ ہزار ہا رسائل تصنیف فرما چکے ہیں، ان کے کمالات اور مناقب اسی طرح مسلم الثبوت ہیں جس طرح قطب الاقطاب، شیخ المشائخ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کی ولایت۔

ائمہ میں امام اعظم آپ ہی کا لقب تھا، علماء اور محدثین کا بہت بڑا مجمع آپ کے ماننے والوں میں رہا ہے اور امتِ مرحومہ کے نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے چل رہا ہے۔ آپ عہدِ صحابہ میں پیدا ہوئے، ورع اور تقویٰ، جود وسخا، علم وفضل، خرد وعقل کے جملہ کمالات آپ میں موجود تھے آپ کی توثیق وتعدیل بڑے بڑے نقادِ فن محدثین اور فقہاء امت کر چکے ہیں، آپ کے مناقب میں صدہا کتابیں عربی اور فارسی میں تصنیف کی جا چکی ہیں۔ چونکہ اکثر کتابیں عربی میں ہیں اور ہر شخص کے پاس وہ کتابیں موجود نہیں اور نہ ہر شخص زبان عربی سے واقف ہے، اس لیے ہم اس رسالہ میں امام صاحب سے متعلق حسب ذیل امور سے بہت ہی محققانہ طور سے بحث کریں گے:

(۱) امام صاحب کے مناقب اور ان کے ثقہ وصدوق اور جید الحافظ ہونے کا ثبوت۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا تحقیقی جواب۔

(۲) آپ کے محدث، حافظ اور ناقد الحدیث ہونے کا ثبوت اور قلیل الروایت ہونے کی شرح

(۳) آپ کی فصاحت وبلاغت اور عربی مہارت کا ثبوت۔

امام صاحب کے حالات

امام اعظم آپ کا لقب، ابوحنیفہ آپ کی کنیت اور نعمان آپ کا اسم گرامی ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت ثابت کوفہ کے بہت بڑے تاجر تھے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندان کے لیے دعا فرمائی۔ (تاریخ بغداد لابن جزلہ)

آپ کی ولادت اگرچہ علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۰ھ میں تسلیم کی ہے اور قرائن ودلائل سے اسی کو ترجیح بھی دی ہے، لیکن حافظ شمس الدین ذہبی اور جمہور آپ کی ولادت ۸۰ھ میں مانتے ہیں۔

امام صاحب کا اصلی وطن کوفہ ہے جو اس وقت حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مرکز تھا، کیونکہ کوفہ میں ہزاروں صحابہ کا قیام رہ چکا تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد علوم وفنون کے مراکز تین تھے: مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ۔ مکہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور زید ابن ثابتؓ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں کوفہ دارالخلافہ تھا اور یہاں پر چار ہزار سے زیادہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اور آٹھ سو سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے۔

امام صاحب کی تربیت وتعلیم اس بڑے علمی مرکز کوفہ میں ہوئی، اس کے علاوہ علماء حرمین شریفین سے بھی برابر استفادہ فرماتے رہے، آپ کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہونچتی ہے، امام صاحب کے اساتذہ میں صحابہ کرام کے بعد اعلیٰ درجہ کے اہل علم وفضل تابعین عظام تھے۔

امام صاحب کے متعلق بشارتِ نبوی

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''تبییض الصحیفة فی مناقب الامام ابی حنیفة ''میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بشارت دی ہے جس حدیث میں آپ نے فرمایا کہ علم اگر ثریا پر بھی ہوگا تو فارس کے کچھ لوگ ضرور حاصل کریں گے۔

اس حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو صحیح بخاری و مسلم اور دوسری کتبِ حدیث میں بھی روایت کیا گیا ہے، البتہ کچھ الفاظ کا اختلاف ہے، بعض جگہ لفظ دین اور بعض میں لفظ ایمان وارد ہوا ہے، اس کی پوری تفصیل محدث کبیر علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''تبییض الصحیفة ''میں تحریر فرمائی ہے اور انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ روایت اصل کے اعتبار سے صحیح ہے اور بشارت و فضیلت کے باب میں معتمد علیہ ہے، اس کے ہوتے ہوئے امام صاحب کی منقبت میں کسی غیر معتمد حدیث کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہم بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث: ''لو کا ن العلم بالثریا لتناوله اناس من ابناء فارس ''(مسند احمد، ص ۳۹۶) کا اولین مصداق امام صاحب ہیں۔

اما م صاحب تابعی تھے

علامہ ابن حجر مکیؒ نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے آٹھ صحابہ کا زمانہ پایا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تهذيب التهذيب ''میں تصریح کی ہے کہ حضرت امام صاحب نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا ہے۔

حافظ ذہبی نے ''تذكرة الحفاظ ''میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ جب کوفہ میں تشریف لائے تو امام صاحب نے ان کو کئی بار دیکھا۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب مقتدائے غیر مقلدین نے باوجود تعصب اور مخالفت کے ''التاج المكلل ''میں رویت حضرت انسؓ کا اعتراف کیا ہے اور خطیب کی تاریخ بغداد سے اس کو نقل کیا ہے، الغرض بڑے سے بڑے محدثین نے رویت انسؓ کو تسلیم کیا ہے جو حدیثِ صحیح کے مطابق اور محققین ومحدثین کے اصول پر بھی تابعی ہونے کے لیے کافی ہے، یہی وجہ کہ حافظ ذہبی نے امام صاحب کو محدثین کے طبقۂ خامسہ میں ذکر کیا ہے اور تقریب میں ان کو طبقۂ سادسہ میں ذکر کرنے کو لغزش قرار دیا ہے۔

نیز حافظ موفق نے ''مناقب الامام ''میں اپنی مسند سے بھی امام یوسف کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الدال علی الخير كفاعله و الله يحب امانة اللهفان ''یعنی جو شخص نیکی کا راستہ بتلائے وہ بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم اور مصیبت زدہ کی مدد و فریادرسی کو پسند فرماتے ہیں۔

''هداية المهتدى ''جلد دوم میں مولانا وحید الزماں پیشوائے غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ تابعی وہ ہے جو کسی صحابی سے حالت ایمان میں ملا ہو لہٰذا ابوحنیفہؒ بھی اس لحاظ سے تابعین میں سے ہیں، کیونکہ انھوں نے حضرت انسؓ صحابی کو دیکھا ہے جس کو ابن سعد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح فتاوی حافظ ابن حجر میں بھی تصریح ہے کہ امام صاحب نے ایک جماعت صحابہ کو پایا جو کوفہ میں تھے، لہٰذا وہ طبقۂ تابعین میں سے تھے اور یہ فضیلت کسی کو آپ کے سوا ائمہ امصار میں سے حاصل نہ ہوئی۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے ''الخیرا ت الحسان '' میں لکھا ہے کہ امام صاحب اجل تابعین میں سے تھے جن کے بارے میں حق تعالٰی نے ارشاد فرمایا ہے:

والذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھر خٰلدین فیھا ابداً ذالك الفوز العظیم.

اور جن لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی، ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

امام صاحب کا علم

حضرت حمادؒ کے درس میں امام صاحب کے سوا کوئی اور استاد کے سامنے نہ بیٹھتا تھا، دس برس ان کی خدمت میں رہے تھے۔ ایک دفعہ اپنی جگہ امام صاحب کو بیٹھا کر حضرت حمادؒ باہر گئے، اس عرصہ میں امام صاحب لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے رہے جن میں وہ مسائل بھی آئے جو استاد سے نہ سنے تھے، استاد کی واپسی پر وہ سب مسائل ان کی خدمت میں پیش کیے گئے جن کی تعداد ساٹھ تھی، استاد نے چالیس سے اتفاق کیا اور بیس سے اختلاف، تب امام صاحب نے قسم کھائی کہ ساری عمر خدمت میں حاضر رہوں گا، چنانچہ استاد کی وفات تک ساتھ رہے، کل زمانہ رفاقت اٹھارہ سال ہوا۔ حضرت حمادؒ کے صاحب زادہ سماعیلؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ والد صاحب سفر میں گئے اور کچھ دن باہر رہے، واپسی پر میں نے دریافت کیا: ابا جان! آپ کو سب سے زیادہ کس کو دیکھنے کا شوق تھا؟ فرمایا: ابوحنیفہ کو دیکھنے کا، اگر یہ ہوسکتا کہ میں کبھی نگاہ ان کے چہرہ سے نہ اٹھاؤں تو یہی کرتا۔

عبادت وورع

حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ میں نے کوفہ پہونچ کر پوچھا کہ کوفہ والوں میں سب سے زیادہ پارسا کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابوحنیفہ ان ہی کا یہ بھی قول ہے کہ حالانکہ کبھی دروں سے، کبھی مال ودولت سے ان کی آزمائش کی گئی، مگر میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ پارسا کسی کو نہیں پایا۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ ہمارے وقت میں کوئی آدمی مکہ میں ابوحنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔

ابومطیع کا قول ہے کہ میں قیام مکہ کے زمانہ میں رات کی جس ساعت میں طوافِ کعبہ کو گیا ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کو طواف میں مصروف پایا۔

ابوعاصم کا قول ہے کہ کثرتِ نماز کی وجہ سے لوگ ابوحنیفہ کو میخ کہنے لگے تھے۔

شب بیداری اور قرآن خوانی

یحییٰ بن ایوب الزاہد کا قول ہے کہ امام صاحب رات کو نہیں سوتے تھے اور اسد بن عمر کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ شب کی نماز میں ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر دیتے تھے اور یہ بھی کہا کہ جس مقام پر وفات ہوئی ہے وہاں امام صاحب نے سات ہزار قرآن ختم کیے تھے۔

ابوالجویریہ کا قول ہے کہ میں نے کسی کو ابوحنیفہ سے بہتر شب بیدار نہیں پایا، مہینوں ان کی صحبت میں رہا، لیکن ایک رات بھی ان کو پہلو لگاتے نہیں دیکھا۔

مسعر بن کدام نے بیان کیا کہ میں ایک رات مسجد میں گیا تو کسی کے قرآن پڑھنے کی دل کش آواز سنی جو دل میں اتر گئی، وہ پڑھتے ہی رہے، یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ایک رکعت میں ختم کر دیا، دیکھا تو وہ ابوحنیفہ تھے۔

خارجہ ابن مصعب کا قول ہے کہ خانہ کعبہ میں چار اماموں نے پورا قرآن پڑھا ہے۔

حضرت عثمانؓ، تمیم داریؓ، سعد بن جبیرؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے (قاسم بن معن کا بیان ہے کہ ایک رات ابوحنیفہؒ نے نماز میں) یہ آیت پڑھی:

''بل الساعة مو عدهم و الساعة ادهیٰ و امر'' بلکہ قیامت ان کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت بہت سخت اور نہایت تلخ ہے۔

تمام رات اس کو دہراتے رہے اور شکستہ دل سے روتے رہے۔

جودو سخا اور امداد مستحقین

امام صاحبؒ ہر شخص کی التجاو آرزو پوری کرتے تھے، سب کے ساتھ احسان کرتے تھے، مال تجارت بغداد بھیجتے، اس کی قیمت کا مال کوفہ سے منگواتے، سالانہ منافع جمع کر کے شیوخ محدثین کے لیے ضرورت کی اشیاء خریدتے، خوراک، لباس وغیرہ جملہ ضروریات کا انتظام کرتے اور نقد بھی دیتے۔

امام ابویوسفؒ کا قول ہے کہ امام صاحب ہر سائل کی حاجت کو پورا کیا کرتے تھے۔

وکیع کا قول ہے کہ واللہ ابوحنیفہ بڑے امین تھے، اللہ کی جلالت و کبریائی ان کے دل میں بھری ہوئی تھی اور کہا کہ امام صاحب اپنے بال بچوں کے لیے کپڑا بناتے تو اس کی قیمت کے برابر صدقہ کرتے اور جب خود نیا کپڑا پہنتے تو اس کی قیمت کے برابر شیوخ علماء کے لیے لباس تیار کراتے، جب کھانا سامنے آتا تو اول اپنی خوراک کی مقدار سے دوگنا نکال کر کسی محتاج کو دیتے۔

امام اعظمؒ ثقہ، صدوق اور جید الحافظ تھے

امام صاحب کے ثقہ، صدوق اور جید الحافظ ہونے کے متعلق اور آپ کی توثیق و تعدیل کے بارے میں بکثرت نقادِ فن اور کبار محدثین انصاف پسند حضرات نے بہت کچھ بیان کیا ہے، یہاں پر ہم مختصر طور پر چند اکابر کے نام نامی اور ان کی عبارت نقل کرتے ہیں:

یحییٰ بن معین مشہور محدث اور فن رجال کے متبحر عالم تھے، امام بخاریؒ وغیرہ کے استاد ہیں جن کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو سوائے یحییٰ بن معین کے کسی کے سامنے حقیر نہیں سمجھا۔ انھوں نے امام صاحب کی اعلیٰ درجہ کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے۔

ابوالمؤید امام موفق بن احمد مکی نے ''مناقب الامام الاعظم'' (ص۱۹۲، ج۱) میں مع السند یہ روایت نقل کی ہے:

انبا احمد سمعت یحییٰ ابن معین یقول وھو یسئل عن ابی حنیفة اثقة ھو فی الحدیث ، فقال نعم ثقة ثقة کان واللّٰہ اورع من ان یکذب وھو اجل قدرا من ذالك. (مناقب الامام ، ص ۱۹۲، ج۱)

احمدؒ نے بتایا کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ان سے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے تو جواباً انھوں نے فرمایا کہ ہاں ثقہ اور قابل اعتماد تھے، اللہ کی قسم وہ جھوٹ سے بالا تر تھے۔

وقال احمد فی روایة احمد بن عطیه عنه وقد سئل ھل حدیث سفیان عن ابی حنیفةؒ قال نعم کان ابو حنیفة ثقة صدوقا فی الحدیث والفقه مامونا علی دین اللّٰہ.

احمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں احمد بن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا امام ابوحنیفہ کے متعلق سفیان کی کوئی روایت ہے، فرمایا: ہاں، ابوحنیفہ حدیث وفقہ میں ثقہ اور سچے تھے اور اللہ کے دین پر قابل اعتماد تھے۔

وقال یحییٰ بن معین اصحابنا یفرطون فی ابی حنیفة واصحابه فقیل له اکان یکذب قال انبل من ذالك.

یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ہمارے آدمی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں زیادتی سے کام لیتے ہیں، ان سے کسی نے کہا کہ کیا وہ جھوٹ بولتے تھے؟ فرمایا وہ اس سے بالاتر تھے۔

مختصر تاریخ خطیب بغدادی میں ابن جزلہ حکیم بغدادی لکھتے ہیں۔

قیل له (ای لیحییٰ بن معین) افکان ابو حنیفة یکذب قال کان انبل فی نفسه من الکذب وقال مرة اخریٰ ابو حنیفة عندنا من اھل الصدوق ولم یتھم بالکذب وقال مرة کان ابو حنیفة ثقة لایحدث بالحدیث الا ما یحفظ وعنه ایضا وقد سئل عن ابی حنیفة اثقة ھو فی الحدیث قال ثقة ثقة واللّٰہ اورع من ان یکذب وھو اجل قدرا من ذالك ، وعنه وقیل له ھل حدیث سفیان عن ابی حنیفة قال نعم کان ابو حنیفة ثقة صدوقا فی الحدیث والفقه مامونا علی دین اللّٰہ عز وجل. (خیرات الحسان ، ص ۳۵۰)

یحییٰ بن معینؒ سے کسی نے کہا کہ کیا ابوحنیفہؒ جھوٹ بولا کرتے تھے، فرمایا کہ وہ جھوٹ سے بالاتر تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا ابوحنیفہ ہمارے نزدیک سچے تھے، ان پر کبھی بھی جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی گئی۔ دوسری مرتبہ فرمایا کہ ابوحنیفہؒ ثقہ تھے جب تک کوئی حدیث انھیں اچھی طرح محفوظ نہیں ہوتی ہرگز بیان نہیں فرماتے تھے۔ ان سے ایک مرتبہ ابوحنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے، فرمایا ہاں وہ معتبر اور ثقہ تھے، اللہ کی قسم وہ جھوٹ سے بہت پرہیز کرنے والے اور جھوٹ سے بالا تر تھے۔ ان سے کہا گیا کیا سفیانؒ سے ابوحنیفہ کے بارے میں کچھ منقول ہے، فرمایا ہاں ابوحنیفہؒ حدیث وفقہ میں ثقہ اور سچے تھے اور اللہ کے دین کے بارے میں قابل اعتماد تھے۔

(نوٹ: علامہ حکیم ابن جزلہ کی مختصر تاریخ بغدادی نایاب ہے، خدابخش لائبریری پٹنہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے، یہ عبارت اس سے لی گئی ہے۔)

اور عمدة القاری (ص۹۶، ج۳) اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے:

سئل ابن معین عنه فقال ثقة ما سمعت احداً ضعفه

ابن معینؒ سے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ فرمایا وہ ثقہ تھے، میں نے کسی کو ان کی تضعیف کرتے نہیں سنا۔

یعنی ابن معین کا یہ فرمانا کہ میں نے کسی سے امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف نہیں سنی اعلیٰ درجہ کی تعدیل اور توثیق ہے جس کی تائید تہذیب الکمال ص۱۰۸ سے بخوبی ہوتی ہے، اس میں ہے:

وقال ای یحییٰ بن معین مرة کان ابو حنیفه عندنا من اھل الصدوق وھکذا فی مختصر التاریخ لخطیب البغدادی

ایک مرتبہ یحیٰ معین نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ ہمارے نزدیک سچے ہیں، خطیب بغدادی کی مختصر تاریخ میں بھی یہی ہے۔
چونکہ ''عندنا'' میں ضمیر جمع کی ہے، اس سے صاف ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک امام ابوحنیفہ ل ثقہ وصدوق ہیں، اسی وجہ سے حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''ما سمعت احدا ضعفه.''

(۲) شعبہ بن الحجاج متوفی ۱۶۰ھ یہ ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ میں سے ہیں، سفیان ثوری ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے، انھوں نے امام ابوحنیفہ کی توثیق کی ہے بلکہ جید الحافظ کہا ہے، خیرات الحسان ص ۳۴ میں ہے:

قال شعبة كان ابو حنيفة حسن الفهم ، جيد الحفظ — شعبہؒ نے فرمایا ابوحنیفہؒ بہت سمجھدار اور جید حافظ تھے۔

اور عقود الجواہر المنیفہ ص ۸ میں حافظ موصلی کی کتاب تہذیب الکلام سے نقل کیا ہے:

كان شعبة حسن الرائى فى ابى حنيفة — حضرت شعبہؒ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

و كذا فى مختصر جامع بيان العلم وفضله للحافظ بن عبد البر ، ص ۱۹۴ .

(نوٹ: تہذیب الکلام نایاب کتاب ہے، اس کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، اسی سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔)

جب حضرت شعبہ سے امام صاحب کے متعلق دریافت کیا جاتا تو وہ ان کی بہت زیادہ تعریف وتوصیف کیا کرتے تھے اور ہر سال نیا تحفہ ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے (موفق، ص ۴۶، ج ۲) اور فرمایا کرتے تھے کہ جن لوگوں نے ان پر تشنیع کی ہے واللہ وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے خوب واقف ہے (خیرات، ص ۳۴)۔

حضرت شعبہ کے پاس امام ابوحنیفہ کی خبر وفات پہنچی تو انا للہ پڑھا اور فرمایا آج کوفہ پر علم کا چراغ گل ہو گیا اور اب اہل کوفہ کو قیامت تک اس کی نظیر نہ ملے گی۔ (خیرات الحسان، ص ۳۹)

(۳) عبداللہ بن مبارک یہ یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں جن کو امام مہدی نے ''لم يكن فى زمانه اطلب العلم منه'' (ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا طلب گار کوئی نہیں تھا) فرمایا ہے، یہ تمام محدثین کے شیخ اعظم ہیں، ان کی تعریف میں محدثین نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں باتفاق مورخین اس شیخ اعظم نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر لاکھوں روپیہ اسفار پر خرچ کر کے اس دور خیر القرون کے ایک ایک محدث سے حدیثیں حاصل کی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاکھوں حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں، وہ جب امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے تو اخیر تک آپ سے جدا نہ ہوئے، امام بخاریؒ نے سب سے پہلے ان ہی عبداللہ ابن مبارک کی کتابیں یاد کی تھیں، آپ (عبداللہ بن مبارک) امیر المومنین فی الحدیث، فن حدیث کے رکن اعظم اور ائمہ کبار میں سے ایک امام ہیں، صحیح بخاری اور مسلم میں ان کی روایات سے سینکڑوں احادیث موجود ہیں، امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں ہیں، امام بخاری نے اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا ہے کہ ابن مبارک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ ہیں عبداللہ ابن مبارک جو امام ابوحنیفہ کی تعدیل فرماتے ہیں۔

وذكر الامام النسفى باسناده عن احمد بن محمد البغدادى قال سألت يحى بن معين عنه فقال عدل ثقة ما ظنك من عدله بن مبارك ووكيع (منا قب الامام اعظم للامام كردرى ، ج ، ص ۹۱)

امام نسفیؒ نے احمد بن محمد بغدادی سے سند کے ساتھ ذکر کیا کہ میں نے یحییٰ بن معین سے ابوحنیفہ کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ وہ سچے اور ثقہ تھے، ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کی تعدیل ابن مبارک اور وکیع نے کی ہو۔ (امام کردریؒ کی مناقب الاعظم ج ۱، ص ۹۱)

عن یحی بن معین قال کا ن و کیع جید الرأی فیه (ای فی ابی حنیفة) و ایضا فیه عن ابن مبارك قال غلب علی الناس بالحفظ و الفقه و العلم و الصیانة و الدیانة و شدة الورع الخ یحیٰی بن معین نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں وکیع کی رائے بہت عمدہ تھی، نیز ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ نے حفظ، فقہ، علم احتیاط، دیانت اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کی وجہ سے سب پر غلبہ پالیا۔

اور حافظ وکیع بن جراح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں جن کی مدح میں امام احمد فرماتے ہیں ''ما رأیت اوعیٰ منه و لا احفظ '' (میں نے ان سے زیادہ پرہیز گار و احفظ کسی کو نہیں دیکھا)۔

اور عبداللہ بن مبارکؒ یحییٰ بن معینؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں جن کو امام مہدی نے ''لم یکن فی زمانه اطلب العلم منه ''(ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا طالب کوئی نہیں تھا) فرمایا ہے۔

پس جب ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے حافظ، ثقہ، ماہرین فن حدیث امام ابوحنیفہؒ کو حافظ فرماتے ہیں اور ان کی تعدیل کرتے ہیں تو اب کسی معترض حاسد کو اعتراض کا کیا موقع ہے۔

(۴) وکیع بن جراح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں جن کی مدح میں امام احمدؒ فرماتے ہیں ''ما رأیت اوعی منه و لا احفظ '' مشہور محدث کبیر امام بخاری کے شیوخ کبار میں سے تھے، انھوں نے امام صاحب کی تعدیل فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں کوئی حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون بہت مشکل تھا، وہ کھڑے ہوگئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اب ندامت سے کیا فائدہ، وہ شیخ یعنی ابوحنیفہؒ اب کہاں ہیں جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔ (کردری)

(۵) علی بن المدینیؒ اتنے بڑے امام فن ہیں کہ جن کی شاگردی امام بخاریؒ امام ابوداؤدؒ اور ذہبی جیسے کبار محدثین نے کی ہے، تذکرۃ الحفاظ میں ہے، ابوحاتم نے کہا ہے:

کان علی بن المدینی علما فی الناس فی معرفة الحدیث و العلل علی بن المدینی فن حدیث اور علل میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

اور امام بخاریؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

ما استصغرت نفسی عند احد الا عند علی بن المدینی میں نے علی ابن المدینی کے سوا کسی کے سامنے اپنے کو کمتر نہیں جانا۔

انہوں نے امام صاحب کی توثیق کی ہے۔ (عقود الجواہر المنفیہ، ص۸۰، خیرات الحسان، ص۷۴)

اور ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ کے ص۱۹۴ میں ہے:

قال ابن المدینی ابو حنیفة رویٰ عنه الثوری و ابن المبارك و حماد بن زید و جعفر بن عون و هو ثقة لا باس به.

یعنی ابوحنیفہ سے سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن العون نے روایت حدیث کی ہے اور وہ ثقہ ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں، یہ سب مقتدائے محدثین اور ائمہ صحاح ستہ کے رواۃ ہیں۔

(۶) سفیان ثوری یہ نہایت عظیم المرتبت شخص ہیں جن کی شان میں شعبہ نے کہا کہ احفظ منی اور خطیب نے کہا ہے:

كـان الثـورى امـامـاً مـن ائـمة الـمسلمين وعلماً من اعلام الدين مجمعا على امامته مع الاتفاق والضبط والحفظ والمعرفة والزهد والورع

امام ثوریؒ مسلمانوں کے ایک بڑے امام تھے اور دین کے نشانوں میں سے ایک نشان تھے۔ ان کی امامت ، پختگی ، ضبط ،حفظ ،معرفت، زہد اور تقوی پر علماء کا اتفاق ہے۔

(خلاصہ) انھوں نے امام صاحب کو صحیح حدیث کا سیکھنے والا ،ثقات کی حدیث کو طلب کرنے والا ، ناسخ و منسوخ کا بڑا پہنچاننے والا فرمایا ہے مناقب کردری (ج ۲،ص ۱۰) اور خیرات الحسان (ص ۳۲) میں ہے:

كـان والـلّٰـه شـديـد الاخـذ لـلعلم لا ياخذ الا ما صح عنه صلى اللّٰه عليه وسلم شديد المعرفة بالناسخ والمنسوخ وكـان يـطـلـب احـاديـث الثقات والاخر من فعله صلى اللّٰه عليه وسلم وما ادرك عامة علماء الكوفة فى اتباع الحق اخذ به وجعله دينه

امام سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم وہ علم کے بہت زیادہ حاصل کرنے والے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو روایت صحیح ہوتی صرف اسی کو اختیار فرماتے ،وہ ناسخ و منسوخ کی پہچان میں ملکہ رکھتے تھے اور وہ قابل اعتماد حضرات کی روایات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے بہت زیادہ متلاشی رہا کرتے ،اتباع حق میں اکثر علماء کوفہ کی رائے کو قبول کرتے اور ترجیح دیتے (اپنا مسلک قرار دیتے تھے)۔

باوجودیکہ سفیان ثوری امام صاحب کے معاصر تھے اور باہم چھیڑ چھاڑ بھی رہا کرتی تھی ،مگر امام عالی مقام کے فضائل جو مثل آفتاب کے روشن تھے نہ چھپا سکے اور صاف لفظوں میں امام صاحب کے فضائل کا اقرار کرلیا ورحق پسند اہل انصاف لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔امام سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ حدیث کے اخذ میں غیر معمولی طور پر محتاط تھے جن کو روایت کرنے والے ثقہ ہوتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو لیتے تھے باوجود اس کے بعض لوگوں نے ان پر تشنیع کی ،خدا انہیں اور ہمیں بخش دے۔

اگر سفیان ثوریؒ کے پاس کوئی شخص جاتا اور کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں تب فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ روئے زمین پر اس جیسا فقیہ و عالم نہیں۔(الخیرات الحسان)

حضرت سفیان ثوری سے جب کوئی دقیق مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ اس مسئلہ میں کوئی عمدہ تقریر نہیں کرسکتا سوائے اس شخص کے جس پر ہم لوگ حسد کرتے ہیں (یعنی ابوحنیفہ) پھر امام صاحب کے شاگردوں سے دریافت کرتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کا کیا قول ہے اور وہ جو جواب دیتے اسی کو یاد کر کے اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔(موفق کردری)

(۷) اسرائیل بن یونس صحاح ستہ کے راوی ہیں جن کے متعلق امام احمد نے فرمایا ہے ثقة ثبة ،تہذیب التہذیب میں حافظ بن حجر نے کہا ہے کہ اسرائیل بن یونس نے خلق کثیر سے حدیث سنی اور ان کے حافظہ پر امام احمدؒ تعجب کیا کرتے تھے،انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کو بہت بڑا حافظ حدیث کہا ہے تبیض الصحیفہ (ص۲) اور خیرات الحسان (ص ۳۶) میں ہے:

روى الـخطيب عن اسرائيل ابن يو نس انه قال نعم الرجل نعمان كان احفظه لكل حديث فيه فقه واشد فحصا عنه واعلم بما فيه من الفقه.

خطیب نے اسرائیل بن یونس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نعمان (ابوحنیفہؒ) بہترین شخص تھے، وہ خاص طور پر فقہی احادیث کے بہت بڑے حافظ اور جویاں تھے اور احادیث کے مسائل فقہ سے بہت زیادہ واقف تھے۔

(۸) یزید بن ہارون، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور علی ابن المدینی اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں، امام احمدؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں: کان حافظا متقنا وہ حدیث کے حافظ اور ماہر تھے اور امام عجلی نے کہا ہے: ثقة ثقة اور ابوحاتم نے کہا ہے: امام لا یسئل مثله (خلاصہ، ص۴۳۷)

یزید بن ہارون اپنے زمانہ کے امام کبیر اور ثقہ محدث تھے اور امام اعظمؒ امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کے شاگرد تھے، انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ حافظ حدیث ہیں۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ، ص۱۵۲ میں اور سیوطی تبیض الصحیفہ، ص۱۳ میں لکھتے ہیں:

سئل یزید بن هارون ایما افقه الثوری او ابو حنیفه فقال ابو حنیفه افقه و سفیان احفظ

یزید بن ہارون سے کسی نے دریافت کیا کہ ثوری بڑے عالم تھے یا ابوحنیفہؒ؟ جواب دیا کہ ابوحنیفہ فقہ کے بڑے عالم تھے اور ثوریؒ حدیث کے۔

افقہ اور احفظ اسم تفضیل کے صیغے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ دونوں فقیہ اور حافظ حدیث تھے، مگر ابو حنیفہ افقہ اور حافظ تھے اور سفیان ثوری فقیہ اور احفظ تھے، پس امام ابوحنیفہ کا حافظ حدیث ہونا یزید بن ہارون کے کلام سے بھی ثابت ہوا۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ میں نے علماء سے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ان کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا اور فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب اعظم الناس ہیں۔ (مناقب موفق)

اور فرماتے ہیں کہ میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا، لیکن خدا کی قسم میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ کسی ورع و حافظہ اور عقل میں نہیں پایا۔ (حدائق ص۷۹)

ایک روز یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی اور امام احمدؒ وغیرہ موجود تھے کہ ایک شخص نے آ کر ایک مسئلہ دریافت کیا، فرمایا کہ اہل علم کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو، اس پر علی بن المدینی نے کہا کہ کیا آپ اہل علم نہیں ہیں، آپ تو حدیث کے عالم ہیں، فرمایا اہل علم اصحاب ابی حنیفہ ہیں، تم تو عطار ہو۔ (موفق، ج۲، ص۴۷)

(۹) حافظ عبد البر مالکیؒ، انہوں نے امام ابوحنیفہ کی توثیق نقل کی ہے اور تمام عیوب سے آپ کی تبری ظاہر کی ہے۔ (خیرات ص۷۴)

اور عقود الجواہر المنیفہ، ص۱۰ میں ہے:

قال ابو عمر و یوسف بن عبد البر و الذین رووا عن ابی حنیفة و وثقوه و اثنوا علیه اکثر من الذین تکلموا فیه من اهل الحدیث اکثر ما عابوا علیه الاغراق فی الرأی و القیاس و قد مر ذالك لیس بعیب

ابوعمر و یوسف عبد البر نے فرمایا جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی اور ان کی تعریف و توثیق کی ہے ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جنہوں نے امام صاحب پر کچھ کلام کیا ہے اور انہوں نے بھی امام صاحب پر زیادہ سے زیادہ اغراق فی الرائے اور قیاس کا الزام لگایا ہے جو عیب نہیں ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

اور یہ بھی خیرات الحسان، ص۴۶ میں ہے:

قال الحافظ ابوعمر و یوسف ابن عبد البر بعد کلام ذکره و اهل الفقه لا یلتفتون من طعن علیه و لا یصدقون بشیٔ من السوء ینسب الیه.

حافظ ابوعمرو یوسف ابن عبدالبر نے امام صاحب کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ فقہا ان لوگوں کی جانب بالکل التفات نہیں کرتے جنھوں نے امام صاحب پر کوئی طعن کیا ہے، وہ امام صاحب کی جانب منسوب کی جانے والی کسی (برائی) کی تصدیق نہیں کرتے۔

ملاحظہ فرمایئے ابن عبدالبر صاب لفظوں میں امام صاحب کی توثیق فرمارہے ہیں اور تمام عیوب سے ان کی تبری ظاہر کرتے ہیں اور حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں یحییٰ بن معین، شعبہ اور حافظ موصلی ازدی اور علی بن المدینی وغیرہم سے امام صاحب کی توثیق و تعدیل نقل کر کے وہ عبارت یعنی الذین رووا عن ابی حنیفة و وثقوه الخ لکھی ہے، ملاحظہ ہو مختصر جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۹۴، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ ثقہ ہیں۔

(۱۰) عیسیٰ بن یونس مشہور محدث تھے اور امام صاحب کے حدیث وفقہ میں شاگرد تھے، انہوں نے تمام عیوب سے امام صاحب کی برائت ظاہر کی ہے، مناقب کردری، ج۱، ص ۲۲۲ میں ہے:

قال عیسی ما تکلم فیه (ای فی ابی حنیفة) بسوء و لانصدق احدا بسیٔ القول فیه والله مارأیت افضل منه ولا اورع ونحو ذالك فی الخیرات.

عیسیٰؒ نے فرمایا کہ کسی شخص نے بھی امام ابوحنیفہؒ کی برائی نہیں کی اور ہم برائی کرنے والے کی تصدیق نہیں کرتے، اللہ کی قسم میں نے ان سے افضل اور متقی کسی کو نہیں دیکھا، یہی مضمون خیرات الحسان میں ہے۔

(۱۱) حسن بن صالح صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں، امام معین اور امام نسائی نے لکھا ہے کہ حسن بن صالح ثقہ ہیں اور ابوزرعہ نے کہا ہے: اجتمع فیه حفظ واتقان وفقه وعبادة (خلاصہ، ص ۷۶) ان میں حسب ذیل صفات جمع تھیں حفظ، مہارت فی العلم، فقہ، عبادت۔

یہ حسن بن صالح امام ابوحنیفہؒ کو حدیث میں اہل کوفہ کا عارف اور حافظ کہتے ہیں، خیرات الحسان، ص ۳۰ میں ہے:

وعن الحسن بن صالح ان اباحنیفة کان شدید الاتباع لما کان الناس علیه حافظا لما وصل الی اهل بلده الخ

حسن بن صالح سے مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ جمہور کے مسلک کی پیروی میں نہایت سخت اور ان کی احادیث کے حافظ تھے۔

حسن بن صالح کوفی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ناسخ ومنسوخ حدیث کی تلاش میں بہت مصروف رہتے تھے اور اس حدیث پر عمل کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ سے ان کو ثابت ہوتی تھی اور اہل کوفہ کی حدیث وفقہ کے صرف عارف ہی نہیں تھے بلکہ اپنے شہر کوفہ کے لوگوں کی معمول بہا احادیث کا نہایت سختی سے اتباع کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح قرآن میں ناسخ ومنسوخ آیات ہیں اسی طرح احادیث میں بھی ناسخ ومنسوخ ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی کے اعمال کے حافظ تھے۔ (موفق، ص ۸۹)

(۱۲) عبداللہ بن داؤد، آپ نے امام ابوحنیفہ کے حفظ سنن وفقہ کی تعریف کی ہے، تبیض الصحیفہ (ص ۴) اور مناقب موفق (ج۱، ص ۳۰) میں ہے:

روی محمد بن سعد الکاتب قال سمعت عبد الله بن داؤد الخریبی یقول یجب علی اهل الاسلام ان یدعوا الله لابی حنیفة فی صلا تهم قال وذکر حفظه علیهم السنن والفقه ونحو ذالك فی الخیرات الحسان ص ۲٦.

محمد بن سعید کاتب نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن داؤد کو فرماتے ہوئے سنا کہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں امام ابو

حنیفہ کے لیے دعا کریں اور نیز انہوں نے آپ کے ضبط حدیث وفقہ کا ذکر کیا۔ ایسا ہی مضمون خیرات الحسان ص ۲۶ میں بھی ہے۔

فرماتے ہیں جب کوئی آثار یا احادیث کا قصد کرے تو اس کے لیے سفیان ہیں اور جب آثار یا احادیث کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ (حدائق حنفیہ)

(۱۳) عبداللہ بن یزید المقری، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام بخاری، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ نے بھی ان سے روایت کی ہے، امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (ج ۱، ص ۲۲۷) میں ان کو امام المحدثین اور شیخ الاسلام لکھا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حدیثه عادل فی القطیعات.

انہوں نے امام ابوحنفیہ کی تعریف کی ہے، وہ اپنے تلامذہ کو امام صاحب کی حدیث سننے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ مناقب للموفق ابن احمد (ج ۲ ص ۲۲) اور تبئیض الصحیفہ (ص ۲۰) میں ہے: عن عبداللّٰہ ابن یزید قال حدثنا ابو حنیفة شاہ مروان اور دوسری روایت میں ہے: و کان اذا حدثنا عن ابی حنیفة قال حدثنا شاھنا نیز فرماتے تھے جو لوگ امام ابوحنیفہ کے فضل وتقدم کو نہیں جانتے وہ زندہ نہیں مردہ ہیں۔ (الانتصار)

(۱۴) خود امام ابوحنیفہ نے اپنے جودت حفظ کی تعریف وتوصیف کی ہے، موفق ابن احمد مکی مناقب امام اعظمؒ (ج ۱، ص ۵۵) اور سیوطی تبئیض الصحفیہ (ص ۲۱) میں لکھتے ہیں:

فجلست الی حماد فکنت اسمع مسائله فاحفظها ثم یعیدها من الغد فاحفظها ثم یعیدها من الغد فاحفظها ویخطی اصحابه فقال لا یجلس فی صدر الحلقة بحذائی غیر ابی حنیفة فصحبته عشر سنین.

میں حضرت حماد کے درس میں بیٹھتا اور ان کے بیان کردہ مسائل غور سے سن کر یاد کر لیتا تھا، وہ ان کو دوسرے دن دہراتے، میں پھر یاد کر لیتا، اگلے دن بھی وہ ایسا ہی کرتے اور میں یاد کر لیتا تھا، چونکہ ان کے دوسرے تلامذہ غلطیاں کرتے تھے، اس لیے انہوں نے فرمایا کہ صدر حلقہ میں میرے سامنے ابوحنیفہ کے سوا کوئی نہ بیٹھا کرے، اس طرح میں ان کی خدمت میں دس سال رہا۔

اور ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان (ص ۲۶) میں تحریر فرماتے ہیں:

جلس ابو حنیفة فی حلقة حماد فکان یحفظ جمیع ما یقوله ویخطی اصحابه فاجلسه بحذائه فی صدر الحلقة عشر سنین.

حضرت حمادؒ کے درس علم میں ابوحنیفہؒ شرکت کرتے اور ان کی ساری تقریر کو یاد کر لیا کرتے تھے اور ان کے ساتھی غلطی کیا کرتے، چنانچہ حضرت حمادؒ نے امام صاحب کو اپنے سامنے صدر جگہ پر دس سال تک بٹھایا۔

دیکھئے امام صاحب کی جودت حافظہ نے آپ کے استاد حمادؒ کے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ دس برس تک بجز آپ کے دوسرے شاگرد کو صدر حلقہ میں بیٹھنے کی آپ کے استاد نے اجازت ہی نہیں دی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کس قدر جید الحافظہ تھے۔

(۱۵) حافظ ابوالحجاج جو امام فن رجال ہیں انہوں نے امام ابوحنیفہ کی توثیق کی ہے، چنانچہ تہذیب الکلام (ص ۱۸۰) میں کہتے ہیں:

قال محمد بن سعید العوفی سمعت یحییٰ بن معین یقول کا ن ابو حنیفة ثقة فی الحدیث لا یحدث الا بما یحفظه وقال صالح بن الاسری الحافظ سمعت یحییٰ بن معین یقول ابو حنیفة ثقة فی الحدیث وعنه قال لا باس به وقال مرة کان

ابو حنیفة عندنا من اهل الصدق.

محمد بن سعید عوفی نے فرمایا کہ یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے، صرف اسی حدیث کو بیان کرتے تھے جو ان کو اچھی طرح محفوظ ہوتی تھی۔ صالح بن الاسری الحافظ نے فرمایا کہ یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں، انہوں نے امام صاحب کے لیے کہیں لا بـاس بـه (یعنی ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں) کا لفظ استعمال کیا اور کہیں فرمایا امام ابوحنیفہ ہمارے نزدیک اہل صدق میں سے ہیں۔

نوٹ: کتاب ''تہذیب الکلام''، جس کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے ایسی معتبر اور مستند کتاب ہے کہ صاحب کشف الظنون نے ج۲ص۳۳۰ میں اس کے بارے میں لکھا ہے: وهو كتاب كبير لم يؤلف مثله ولا يظن ان يستطاع.

(۱۶) علامہ ذہبی نقادِ فن ہیں، انہوں نے صاف لفظوں میں امام صاحبؒ کی توثیق کی ہے، چنانچہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

قـال صـالـح بن محمد جو زه وغيره سمعنا يحيىٰ بن معين يقول ابو حنيفة ثقة فى الحديث وروى محمد بن محرز عن ابن معين لا با س به .

صالح بن محمد نے فرمایا کہ ہم نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں اور محمد بن محرز نے امام صاحبؒ کے بارے میں ابن معین کا قول لا باس به نقل کیا ہے۔

ذہبی نے کاشف میں امام ابوحنیفہ کا طولانی ترجمہ لکھا ہے، توثیق وتعدیل کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ایک جملہ بھی تضعیف کا نقل نہیں کیا بلکہ اخیر میں اپنی رائے ظاہر کردی ہے، وہ فرماتے ہیں:

قـلـت قـد احسن شيخنا ابو الحجاج حيث لم يورد شيئا يلزم منه التضعيف الخ. میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ ابوالحجاج نے بہت ہی اچھا کیا کہ کوئی ایسا جملہ نہیں کہا جس سے امام صاحب کی تضعیف لازم آتی ہو۔

اور تذکرۃ الحفاظ (ج۱،ص۱۵۱) میں لکھتے ہیں:

كـان اماما ورعا عالما عاملا متعبدا كبيرالشان وروى محمد بن القاسم بن محرز عن يحيىٰ بن معين قال لا با س به.

وہ امام متقی، عالم باعمل عبادت گذار اور عظیم انسان تھے اور محمد بن قاسم بن محرز نے ان کے حق میں ابن معین کا قول لا بـاس بـه نقل کیا ہے۔

(۱۷) حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں امام ابوحنیفہؒ کی توثیق کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

قـال مـحـمـد بـن سـعد سمعت يحيىٰ بن معين يقول كان ابو حنيفه ثقة لا يحدث بالحديث الا بما يحفظه وقال صالح بن محمد الاسرى عن ابن معين كان ابو حنيفه ثقة فى الحديث.

محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ حدیث میں ثقہ ہیں، صرف اسی حدیث کو بیان فرماتے تھے جو ان کو اچھی محفوظ ہوتی تھی اور صالح بن محمد اسری نے امام صاحب کے بارے میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں۔

نوٹ: تہذیب التہذیب نہایت معتبر کتاب ہے اور تہذیب الکلام کا مختصر اور خلاصہ ہے، چنانچہ خود حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعہ ص۳ میں لکھا ہے:

وکنت قد لخصت تهذيب الكمال وزدت عليه فوائد كثيرة وسميته تهذيب التهذيب وجاء نحو ثلث الاصل ونحو ذالك في ديباجة تهذيب التهذيب ص۳

میں نے تہذیب الکلام کو مختصر کیا اور اس میں بہت سارے فوائد کا اضافہ کیا اور اس کا نام تہذیب التہذیب رکھا، یہ خلاصہ اصل کتاب کے تہائی کے برابر ہوگیا، تہذیب التہذیب کے دیباچہ ص۳ میں بھی یہی لکھا ہے۔

(۱۸) علامہ صفی الدین خزاعی نے خلاصہ تہذیب (ص۳۴۵) میں امام صاحب کی توثیق کی ہے، انہوں نے لکھا ہے:

وثقه ابن معين وقال مكي ابوحنيفه اعلم اهل زمانه ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور مکیؒ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔

(۱۹) ابن حجر مکی شافعی، انہوں نے بڑے زور سے امام ابوحنیفہ کی تعدیل کی ہے، چنانچہ خیرات الحسان (ص۴۷) میں ایک مستقل فصل اس طرح منعقد کی ہے: الفصل الثاني والثلاثون في رد ما قيل فيه من الجرح الخ ---

اس فصل میں حافظ ابن عبدالبر، یحییٰ بن معین، علی ابن المدینی، شعبہ، حجاج اور تاج الدین سبکی وغیرہم کے اقوال سے امام ابوحنیفہؒ کی بسط کے ساتھ تعدیل کی ہے اور معترضین کے اعتراضات کا نہایت معقول جواب دیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ وہم بھی نہ کرنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ علم وفقہ کے ماسوا اور دوسرے علوم نہیں جانتے تھے، ماشاءاللہ وہ علوم شرعیہ، تفسیر، حدیث اور علوم عالیہ ادبیہ قیاس اور علوم حکمیہ کا ایک سمندر تھے، ان کے بعض مخالفین کا قول اس کے خلاف ہے، مگر ان کا منشا محض حسد اور اپنی برتری کی خواہش ہے۔

ہمیشہ علماء اور اہل حاجات امام ابوحنیفہؒ کی قبر کی زیارت کرتے اور امام کے مزار کو اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لیے وسیلہ سمجھتے تھے جن میں امام شافعیؒ بھی تھے۔ (خیرات الحسان ص۹۶)

(۲۰) تاج الدین سبکیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی تعدیل کی ہے، چنانچہ طبقات شافعیہ (ج۲، ص۳۹) میں جرح وتعدیل کے اصول پر ایک نفیس بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وحينئذ لا يلتفت لكلام الثوري وغيره في ابي حنيفه الخ. اور اب امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں امام ثوری وغیرہ کا کلام بالکل قابل التفات نہیں ہے۔

(۲۱) امام ابو یوسف علم حدیث میں امام احمدؒ، علی بن المدینیؒ اور یحییٰ بن معین وغیرہم اکابر محدثین کے استاد ہیں جو امام بخاری وغیرہ محدثین کے شیوخ میں ہیں، انہوں نے امام ابوحنیفہ کو ''ابصر بالحديث الصحيح'' حدیثِ صحیح کے بہت جاننے والے کہا ہے، خیرات الحسان (ص۳۷) میں ہے: ''وكان ابصر بالحديث الصحيح'' فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ تفسیر وحدیث کا عالم نہیں دیکھا، ہمارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو امام صاحب کے پاس حاضر ہوتے اور امام صاحب فوراً ہی حل پیش کر کے ہماری تشفی فرما دیتے تھے۔ (موفق ج۲، ص۴۳)

(۲۲) امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کے مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا جن پر حفاظ حدیث کی تصدیق تھی،

میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بہترین، عدول وثقات تابعین سے مروی ومنقول ہے، مثلاً اسود، علقمہ، عطا، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم سے، پس امام ابوحنیفہؒ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ کے درمیان تمام راوی عادل، ثقہ، عالم اور ماہرین بزرگ ہیں جن میں کوئی کاذب اور متہم بالکذب نہیں۔

فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے کسی طرح موزوں نہیں کہ ایسے امام اعظم پر اعتراض کریں جس کی جلالت قدر، علم وورع پر اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے نیز فرمایا کہ امام صاحب پر اعتراض کرنا کسی طرح مناسب نہیں، کیونکہ وہ ائمہ متبوعین میں سب سے بڑے مرتبہ کے تھے، ان کا مذہب سب سے پہلے مدون ہوا اور ان کی سند حدیث بھی دوسرے ائمہ کے لحاظ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہے۔ (میزان کبریٰ)

(۲۳) امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کی مدح فرماتے ہیں، امام شافعیؒ نے حضرت امام مالکؒ سے چند محدثین کا حال دریافت کیا اور پھر امام ابوحنیفہ کا حال پوچھا تب انہوں نے فرمایا سبحان اللہ وہ عجیب شخص تھے، ان کا مثل میں نے نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان)

امام مالکؒ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ اہل عراق میں سے جو آپ کے یہاں آئے ہیں ان میں افقہ کون ہیں، فرمایا کون آئے ہیں، کہا گیا ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ نے فرمایا کہ تم نے ابوحنیفہ کا نام اخیر میں لیا، میں نے ان کو دیکھا کہ ہمارے یہاں کے کسی فقیہ سے ان کا مناظرہ ہوا اور تین بار اس فقیہ کو اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑا پھر بھی اخیر میں امام صاحب نے فرمایا یہ بھی خطا ہے۔ (موفق)

امام شافعی کا بیان ہے کہ امام مالکؒ سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا سبحان اللہ، وہ تو ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے کہہ دیتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو پھر اس کو دلیل وحجت سے ثابت کر دکھاتے۔ (کردری وخیرات وتبییض)

(۲۴) امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہ کی تعریف وتوثیق فرمائی ہے، علی بن میمون شاگرد امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ مجھ سے امام شافعیؒ نے کہا کہ میں امام ابوحنیفہؒ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ خیرات حسان میں امام شافعی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کوئی عقیل آدمی پیدا نہیں ہوا۔ شامی میں ابن حجر مکی سے بحوالہ ربیع روایت ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں، کیونکہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا، نیز فرمایا کہ جو شخص امام ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ نہ تو عالم متبحر ہوگا اور نہ فقیہ بنے گا۔ (حدائق ص ۷۷)

یہ بھی فرمایا کہ ابوحنیفہؒ خاندان فقہ کے مربی اور مورث اعلی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

(۲۵) امام احمد بن حنبلؒ امام صاحبؒ کی توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ علم وتقویٰ، زہد اور اختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکا۔ (شامی وخیرات الحسان)

(۲۶) علامہ ابن سیرین مشہور ومعروف عابد وزاہد اور علم تعبیر خواب کے زبردست عالم تھے، تاریخ ابن خلکان میں خطیب کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ جب امام ابوحنیفہؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھودنے کا خواب دیکھا تب ایک شخص کو امام صاحب نے ابن سیرین کے پاس تعبیر دریافت کرنے کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اس خواب کا دیکھنے والا اس حد تک علوم نبوی روشن اور واضح کرے گا کہ اس سے پہلے کسی نے سبقت نہیں کی ہوگی۔ (حدائق الحنفیہ، ص ۷۶)

(۲۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ میں سب سے اعلم تھے یہاں تک کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔(عقد الجید)

جس طرح امام جلال الدین سیوطی اور علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ وغیرہ بہت سے علماء حضرات نے تصریح کی ہے کہ حدیث ''لو کان العلم بالثریا لتناول اناس من ابناء فارس ''اگر علم ثریا پر ہوتا تو فارس کے بعض لوگ اس کو حاصل کر لیتے (مسند احمد ج ۲، ص ۲۹۶) کا اولین مصداق ابوحنیفہؒ ہی کی ذات گرامی ہے اسی طرح حضرت شاہ صاحب نے بھی اس حدیث کا مصداق امام صاحب ہی کو قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے مکتوبات میں ہے، فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم نے اس حدیث پر گفتگو کی کہ ایمان اگر ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اہل فارس کے کچھ لوگ یا ان میں کا ایک شخص ان کو ضرور حاصل کر لیتا، فقیر (یعنی شاہ صاحب) نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں، کیونکہ حق تعالی نے علم فقہ کی اشاعت آپ ہی کے ذریعہ سے کرائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعہ مہذب کیا، خصوصاً اس اخیر دور میں کہ دولتِ دین کا سرمایہ یہی مذہب ہے سارے ملکوں اور شہروں میں بادشاہ حنفی ہیں، قاضی حنفی ہیں، اکثر درس علوم دینے والے علماء اور اکثر عوام حنفی ہیں۔(کلمات طیبات یعنی مجموعہ مکاتیب شاہ صاحب وغیرہ، مطبوعہ مجتبائی ص ۱۶۵)

علاوہ ازیں صدہا محدثین نے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق وتعدیل اور توصیف ومنقبت کی ہے، ہم یہاں پر اختصار کے طور پر ستائیس مقدس علماء کرام کے نام نامی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان میں توثیق وتعدیل کے کیسے کیسے کلمات محدثین اور نقاد فن سے منقول ہیں:

ثـقة ثـقة ، عـدل ثـقة ، ثـقة صـدوق ، ثـقة مـاسمعت احدا ضعفه ، ثقة لا باس به ، ثقة فی الحدیث ، جید الحفظ ، احسـن الـضبـط احـفـظ ، حـافـظ ، وثـقـوه ، ابـصر بالحدیث الصحیح ، وثقه ابن معین ، عدله ابن مبارك وو کیع ، انبل من الکذب، عندنا من اهل الصدق لا باس به ، لم یکن یتهم.

باوجود اس قدر توثیق وتعدیل کے اگر کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہ کو مجروح وضعیف کہے اور ان کی روایت کو قابل احتجاج نہ سمجھے تو اس سے زیادہ متعصب، نفس پرست اور حق پوش اس زمانہ میں اور کون ہوگا۔

فائدہ: اس مقام پر یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ تعدیل کے مراتب میں امام ابوحنیفہؒ کی تعدیل کس مرتبہ کی ہوگی۔

مقدمہ ابن صلاح ص ۵۵ میں ہے:

اما الفاظ التعدیل فعلیٰ مراتب الاولی قال ابن حاتم اذا قیل للواحد انه ثقة او متقن فهو ممن یحتج بحدیثه.

کسی کی تعدیل کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، ابن حاتم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے لیے لفظ ثقہ اور متقن استعمال کیا جائے تو اس کی حدیث حجت ہے۔

اور تدریب الراوی ص ۱۲۶ میں ہے۔

امـا الـمـرتبة التی زادها الذهبی والعراقی فانها اعلی من هذه وهو ما کرر احد هذه الا لفا ظ اما بعینه کثقة ثقة أو لا کثقة ثبت وثقة حجة وثقة حافظ.

علامہ ذہبیؒ اور عراقی نے ان کے علاوہ جو الفاظ بیان فرمائے ہیں وہ ان سے بھی اعلیٰ ہیں وہ یہ کہ کوئی ان الفاظ کو بعینہ مکرر کر دے جیسے

ثقہ ثقہ، یا ہم معنی لفظ کے ساتھ تکرار ہو جیسے ثقہ ثبت، ثقہ حجۃ، ثقہ حافظ وغیرہ۔

فتح المغیث میں ہے:

قال الخطیب ابو بکر ارفع العبد فی احوال الرواة ان یقال حجة او ثقة.

خطیب ابوبکر نے فرمایا کہ راویوں میں سب سے اعلیٰ وہ ہے جس کے لیے لفظ حجت یا ثقہ استعمال کیا جائے۔

اور حافظ عراقی الفیہ ص ۱۵۶ میں فرماتے ہیں:

فارفع التعدیل ما کررته کثقة ثبت ولو اعدته.

سب سے اعلی تعدیل یہ ہے کہ تو الفاظ تعدیل کو مکرر بیان کرے جیسے ثقہ ثبت۔

اور تدریب الراوی ص ۱۲۶ میں ہے:

المرتبة التی زادها شیخ الاسلام اعلی من مرتبة التکرار وهی الوصف بافعل کاوثق واثبت الناس او نحوه.

شیخ الاسلام نے تکرار سے بھی اعلیٰ جو مرتبہ بیان فرمایا ہے وہ اسم تفضیل کا استعمال کرنا ہے جیسے اوثق الناس اثبت الناس وغیرہ۔

چونکہ امام ابوحنیفہ کی شان میں تعدیل کے کلمات ہر قسم کے ہیں جیسے ثقة او ثقة ثقة وعدل ثقه بتکرار اور احفظ صیغہ افعل منقول ہیں، اس وجہ سے تمام اقوال کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور عادل ثابت ہوتے ہیں اور آپ کی روایت یقیناً جملہ اقوال کے لحاظ سے قابل احتجاج کہی جائے گی ذالك فضل الله یؤتیه من یشاء اللہ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ امام المحدثین یحییٰ بن معین سے تعدیل کے کلمات مختلف مروی ہے، ازاں جملہ لا بـاس بھی ہے اور یہ خاص اصطلاح ہے ابن معین کی کہ لفظ لا باس سے وہ ثقہ مراد لیتے ہیں، چنانچہ خود ابن معین نے اس کی تصریح کردی ہے۔

مقدمہ ابن صلاح ص ۵۶ میں ہے:

عن ابی خیشبة قال قلت لیحییٰ بن معین انت تقول فلان لیس به باس وفلان ضعیف قال اذا قلت لك لیس فیه باس فهـو ثـقة واذا قـلـت لك هـو ضـعیف لیـس هـو ثبـت لا تکتب حدیثه وهکذا فی تدریب الراوی ص ۱۲۶ و فتح المغیث ص ۱۵۹.

خیشبہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ آپ بعض کے لیے کہتے ہیں (لیس بہ باس) اور بعض کے لیے ضعیف کا لفظ استعمال فرماتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے، فرمایا جس کے لیے میں لیس بہ باس کہوں سمجھ لو کہ وہ ثقہ ہے اور جس کے لیے ضعیف کہوں وہ قابل حجت نہیں اس کی حدیث نہ لکھو۔ یہی تدریب الراوی اور فتح المغیث میں ہے۔

امام صاحبؒ پر جرحیں اور ان کا جواب

جن کے اقوال سے حضرت امام صاحبؒ کا ناقص الحافظہ اور ضعیف الحدیث ہونا ثابت ہوتا ہے ان کے نام بالاجمال یہ ہیں:

ذہبی، نسائی، ابن عدی، بخاری، دارقطنی، بیہقی، ابن جوزی، علی بن المدینی، خطیب بغدادی، حافظ ابن عبدالبر، حافظ ابن حجر، امام احمد بن حنبل قاضی ابویحییٰ زکریا بن محمد، مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی، وکیع بن الجراح، طاؤس، زہری، ابواسحاق فزاری، امام مسلم، ترمذی، ہشام بن عروہ، ابوداؤد، ابوحفص عمر بن علی، عبدالرؤف منادی، جلال الدین سیوطی۔ اولاً اس کا اجمالی جواب ملاحظہ فرمائیے اور پھر اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

اجمالی جواب

محض تعداد بڑھانے کے لیے اتنے نام جارحین میں لئے جاتے ہیں، ورنہ بعض تو ان میں وہ نام ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ کی توثیق اور تعدیل فرمائی ہے جیسے ذہبی، علی بن المدینی، وکیع بن الجراح، حافظ بن عبدالبر، حافظ ابن حجر وغیرہم اور بعض سے سیئی الحافظہ اور تضعیف کے الفاظ معتبر طریقہ پر منقول ہی نہیں ہیں جیسے مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، طاؤس، زہری، امام احمد، ابواسحاق، ابن قطان، جلال الدین سیوطی، شاہ ولی اللہ وغیرہم اور بعض سے کچھ الفاظ جرح منقول ہیں جیسے ابن عدی، نسائی، بخاری، دارقطنی، ابن الجوزی اور بیہقی وغیرہم، مگر بقاعدہ اصول ان لوگوں کی جرحیں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان میں غیر مقبول ہیں، چنانچہ ہمارے تفصیلی جواب سے ہمارے اس دعوے کا ثبوت بن جائے گا۔

تفصیلی جواب کی تمہید

قبل اس کے کہ تفصیلی جواب لکھا جائے بطور تمہید کے چند مقدمات جرح وتعدیل کے متعلق لکھ دینا ضروری ہیں، تاکہ حقیقتِ حال کے انکشاف میں کسی قسم کی پیچیدگی باقی نہ رہے۔

جرح وتعدیل سے متعلق تمہیدی مقدمات۔

(۱) جس راوی میں جرح وتعدیل دونوں جمع ہوں تو اس کی چند صورتیں ہیں:

ا۔۔ جرح وتعدیل دونوں مبہم ہوں۔

ب۔۔ جرح مبہم اور تعدیل مفسر۔

ان دونوں صورتوں میں بمذہبِ صحیح تعدیل مقدم ہوگی اور جرح نامقبول۔

قال السخاوی فی شرح الفیه ینبغی تقیید الحکم بتقدیم الجرح علی التعدیل بما اذا فسر اما اذا تعارض من غیر تفسیر فانه یقدم التعدیل قاله المزنی وغیره وقال النووی فی شرح مسلم لا یقال الجرح مقدم علی التعدیل لان ذالك فیما اذا کان الجرح ثابتا مفسرا بسبب والا فلا یقبل الجرح اذالم یکن کذا وقال ابن الهما م فی تحریر الاصول اکثر الفقها منهم الحنفیه والمحدثین علی انه لا یقبل الجرح الا مبینا لا التعدیل الخ.

علامہ سخاویؒ نے شرح الفیہ میں فرمایا ہے کہ جرح کے تعدیل پر مقدم ہونے کا حکم لگانا تب ہی مناسب ہے جبکہ جرح مفسر ہو اور اگر بغیر تفسیر کے تعارض ہو تو تعدیل جرح پر مقدم ہوگی۔ مزنی وغیرہ نے یہی کہا ہے اور امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں فرمایا ہے ایسا نہیں ہے کہ جرح تعدیل پر مطلق مقدم ہوتی ہے، اس لیے کہ ایسا تب ہی ہوتا ہے جبکہ جرح ثابت اور مفسر ہو ورنہ جرح قابل قبول نہیں۔ علامہ ابن ہمام نے تحریر الاصول میں فرمایا ہے کہ اکثر فقہاء جن میں احناف ومحدثین بھی شامل ہیں کے نزدیک جرح جب تک مشرح واضح نہ ہو قابل قبول نہیں برخلاف

تعدیل کے۔

اور ایسا ہی بہت سی کتابوں میں مذکور ہے، دیکھو تہذیب الراوی، شرح نخبہ سندھی اور معیار الحق مولوی نذیر حسین دہلوی وغیرہم۔

ج۔۔ جرح وتعدیل دونوں مفسر ہوں۔

د۔۔ جرح مفسر ہو اور تعدیل مبہم۔

ان دونوں صورتوں میں جرح مقدم ہوگی اور تعدیل غیر مقبول۔

قال السیوطی فی تدریب الراوی (ص ۱۱۲) اذا جتمع فیه جرح مفسر وتعدیل فالجرح مقدم الخ وقال السخاوی فی شرح الفیه ینبغی تقیید الحکم بتقدیم الجرح علی التعدیل بما اذا فسر الخ ونحو ذالك فی شرح النخبه.

(۲) جارح کے لیے چند شرطیں ہیں، اگر یہ شروط پائی جائیں تو اس کی جرح مقبول ورنہ غیر مقبول ہوگی۔

الف۔۔ جارح عادل وثقہ ہو۔

ب۔۔ جرح وتعدیل کے اسباب کا عارف ہو۔

ج۔۔ متعنت اور متشدد نہ ہو۔

د۔۔ مذہبی منافرت، دنیوی عداوت، حسد اور معاصرہ سے خالی ہو۔

قال الذهبی فی تذکرة الحافظ (ج ۱ ، ص ٤) ولا سبیل الیٰ ان یصیر العارف الذی یزکی نقلة الاخبار ویجرحهم جهبذا الا باد مان الطلب والفحص عن هذ الشان وکثرة المذاکرة والسهر والتیقظ والفهم مع التقوی والدین المتین والانصاف والتردد الی مجالس العلماء والتحری والاتقان والا تفعل فدع عنك الکتابة لست منهم ولو سودت وجهك بالمداد قال اللّٰه تعالیٰ عز وجل فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون وان غلب علیك الهویٰ والعصبیة لرأی ولمذهب فباللّٰه لا نتفق وان عرفت مخلط مخبط مهمل لحدود اللّٰه فارحنا منك.

وقال الحافظ ابن حجر فی شرح النخبه (ص ۸۲) وان صدرا لجرح من غیر عارف باسبابه لم یعتبر به الخ وایضا قال تقبل التزکیه من عارف باسبابها لا من غیر عارف وینبغی ان لا یقبل الجرح الامن عدل متیقظ .

وقال الحافظ فی مقدمة فتح الباری (ص ٥٤٢) القسم الثانی فی من ضعف بامر مردود کالتحامل اوالتعنت او عدم الاعتماد علی المضعف لکونه من غیر اهل النقد او لکونه قلیل الخبر بحدیث من تکلم فیه او بحالة او متاخر عصره ونحو ذالك الخ. وایضاً قال فی (ص ٤٤٦) واعلم انه قد وقع من جماعة الطعن فی جماعة بسبب اختلافهم فی العقائد فینبغی التنبه لذالك وعدم الاعتداد به الا بحق وکذا عاب جماعة من المتورعین جماعة دخلوا فی امر الدنیا فضعفوهم لذالك التضعیف مع الصدق والضبط واللّٰه الموفق وابعد من ذالك کله من الاعتبار تضعیف من ضعف بعض الرواة بامر یکون الحمل فیه علی غیره او التحامل بین الا قران وابعد من ذالك تضعیف من هو اوثق منه او اعلی قدرا او اعرف بالحدیث فکل هذا لا یعتبر به.

وقال الذهبی فی المیزان (ص ٤٥) قلت کلام الاقران بعضهم فی بعض لا یعباء به لا سیما اذا لاح انه لعداوة او

لمذهب او لحسد ما ينجو منه الا من عصم الله وما علمت ان عصرا من الاعصار سلم اهله من ذالك سوى الانبياء والصدقين.

وقال السبكی فی طبقات الشافعية (ج ۱ ، ص ۱۹۰) قد عرفنا ان الجارح لا يقبل منه الجرح وان فسره فی حق من غلبت طاعته علی معصيته ومادحوه علی ذاميه ومزكوه علی جارحيه اذا كانت هناك قرينة يشهد العقل بان مثلها حامل علی ما فيه من تعصب مذهبی او منافسة دنيوية كما يكون بين النظراء وغير ذالك الخ ونحو ذالك كثير فی التوضيح والتحقيق فی شرح الحسامی وسير اعلام النبلاء الذهبی و غيرها.

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا کہ وہ عارف جو رواۃ احادیث کی تعدیل وتجریح کرتا ہے وہ پیہم طلب وجستجو، کثرتِ بحث، شب بیداری دانائی وزیرکی کے ساتھ ساتھ تقویٰ یعنی استقامت، انصاف پسندی، علماء کی طرف رجوع غور وفکر اور اتقان کے بغیر ماہر نہیں ہوسکتا اور اگر تو ایسا نہیں ہے (ایسا نہیں کرتا) تو کتابت حدیث کو چھوڑ دے، تو ان میں سے نہیں ہے، چاہے حرص میں اپنے چہرہ کو روشنائی سے سیاہ کرلے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل علم سے معلوم کروا گر تم نہیں جانتے اور اگر تجھ پر رائے اور مذہب کے سلسلہ میں خواہش نفس اور عصبیت (ہٹ دھرمی) کا غلبہ ہو جائے تو بخدا ہم تجھ سے اتفاق نہیں کریں گے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ احکام الٰہی کے معاملہ میں مخبط ومہمل ہے پھر تو ہم تجھ سے بالکل بےزار ہیں۔

حافظ بن حجر نے شرح نخبہ ص ۸۲ پر فرمایا کہ اگر جرح ایسے شخص سے صادر ہو جو ان کے اسباب سے واقف نہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز فرمایا کہ تعدیل اسی کی قبول کی جائے گی جو اس کے اسباب سے واقف ہو، لہٰذ جرح بھی صرف منصف اور بیدار مغز کی قبول کرنا مناسب ہے نہ کہ ہر کس وناکس کی۔

حافظؒ نے مقدمہ فتح الباری ص ۵۴۲ پر فرمایا ہے قسم ثانی اس شخص کے بیان میں جس نے (کسی کو ناقابل قبول وجہ سے ضعیف قرار دیا ہو) تضعیف کسی امر مردود کے ساتھ کی ہو، مثلاً تعصب وتعنت (طرفداری) یا مصنف پر عدم اعتماد (تو وہ قبول نہیں) اس لیے کہ وہ تنقید کا اہل نہیں ہے اور جس پر تنقید کر رہا ہے اس سے یا اس کے حالات سے، بہت کم واقف ہے یا اس کے زمانہ کے بعد کا ہے وغیرہ۔ نیز فرمایا (یہ حقیقت بالکل واضح ہے) کہ ایک جماعت نے دوسری جماعت پر اکثر اختلاف عقائد کی بنا پر طعن کیا ہے، اس سے باخبر ہونا چاہیے اور حقیقی وجوہ کے بغیر اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے اور اسی طرح پرہیز گاروں کی ایک جماعت نے اس جماعت پر عیب لگایا جنہوں نے دنیوی معاملات میں حصہ لیا اور اسی وجہ سے انہوں نے صدق وضبط کے باوجود ان کو ضعیف قرار دیا اور ان سب سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار اس کی تضعیف ہے جو اپنے سے زیادہ ثقہ، بلند مرتبہ اور اعرف بالحدیث (حدیث کے بڑے عالم) پر تنقید کرے، یہ سب کچھ ناقابل اعتبار ہے۔

علامہ ذہبی نے میزان ص ۴۵ پر فرمایا ہم عصر لوگوں کی ایک دوسروں پر تنقید معتبر نہیں، خصوصاً جبکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ یہ تنقید دشمنی اور حسد کی بنیاد پر ہے، اس سے وہ ہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ بچائے، میرا خیال ہے کہ انبیاء وصدیقین کے علاوہ کسی زمانہ کے لوگ اس سے محفوظ نہیں رہے۔

علامہ سبکیؒ نے طبقات الشافعیہ جلد ۱ ص ۱۹۰ پر فرمایا کہ کسی بھی جارح کی جرح اگر چہ مفسر ہو اس شخص کے حق میں قابل قبول نہیں کی جائے گی جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں اور اس کی تعریف وتوثیق کرنے والے جرح وبرائی کرنے والے سے زیادہ ہوں، جبکہ وہاں کوئی

ایسا عقلی قرینہ ہو کہ اس کا باعث مذہبی تعصب یا دنیوی منافست (مقابلہ) ہے جیسا کہ اکثر مرتبہ لوگوں میں ہوتا ہے، التوضیح والتحقیق فی شرح الحسامی اور ذہبی کی سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں بہت کچھ تفصیل ہے۔

(۳) الفاظ ذیل بغیر سبب کے جرح مبہم میں داخل ہیں:

فلان متروك الحديث ، ذاهب الحديث ، مجروح ، ليس بعدل ، سئى الحفظ ، ضعيف ، ليس بالحافظ و نحو ذالك.

کشف الاسرار شرح اصول بزدوی میں ہے:

اما الطعن من ائمة الحديث فلا يقبل مجملا اى مبهما بان يقول هذ الحديث غير ثابت او منكر او فلا ن متروك الحديث او ذاهب الحديث او مجروح او ليس بعدل من غير ان يذكر سبب الطعن وهو مذهب عامة الفقها ء والمحدثين.

رہا ائمہ حدیث کا طعن تو وہ مجمل یعنی مبہم ہونے کی صورت میں ہرگز قابل قبول نہیں، مثلاً کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے یا فلاں شخص متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا مجروح ہے، عادل نہیں ہے اسباب طعن ذکر کئے بغیر، یا..... عام فقہاء اور محدثین کا یہی مسلک ہے۔

اور کمال الدین جعفر شافعی امتاع باحکام النساء میں لکھتے ہیں۔

ومن ذالك قولهم فلان ضعيف ولا يبينون وجه الضعف فهو جرح مطلق وفيه خلاف والتفصيل ذكرنا ه فى الاصول والاولىٰ ان لا يقبل من متأخرالمحدثين لانهم يجرحون بما لا يكون جرحا ومن ذالك فلان سيئى الحفظ او ليس بحافظ لا يكون جرحا مطلقا بل ينظر الى حال المحدث والحديث الخ.

اسی طرح ضعف کی وجہ بیان کئے بغیر یہ کہنا کہ فلاں ضعیف ہے جرح مطلق کہلاتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے، اس کی تفصیل ہم نے اصول میں بیان کی ہے اور مناسب یہ ہے کہ متاخرین محدثین کی جرح قبول نہ کی جائے، کیونکہ وہ جس طرح جرح کرتے ہیں حقیقتاً وہ جرح ہی نہیں ہوتی، چنانچہ یہ کہنا کہ ''فلاں کا حافظہ خراب ہے'' یا ''فلاں حافظ نہیں ہے'' یہ مطلق جرح نہیں ہے بلکہ اس صورت میں محدث وحدیث کے حالات کی تحقیق کی جائے گی۔

جرح وتعدیل کے مقدمات معلوم ہو چکے، اب آپ تفصیلی جوب ملاحظہ فرمائیے جس سے معترضین کی نفسانیت اور غلط فہمی بخوبی واضح ہوجائے گی۔

تفصیلی جواب

(۱) علامہ ذہبی نے ہرگز امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف نہیں کی بلکہ تذکرۃ الحفاظ اور تقریب میں نہایت وضاحت کے ساتھ آپ کی توثیق اور تعدیل کی ہے كما مر سابقا۔

باقی میزان الاعتدال کی یہ عبارت (ج ۲، ص ۳۳۵) جو معترضین نقل کرتے ہیں: ضعفه نسائى من جهة حفظه وابن عدى وغيره. اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت میزان الاعتدال کے صحیح نسخوں میں نہیں ہے، غلطی سے کسی نے لکھ دی ہے، کیونکہ حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں اور سیوطی نے تدریب الراوی میں اور سخاوی نے فتح المغیث میں تصریح کردی ہے کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں صحابہ اور ائمہ

متبوعین کا ذکر نہیں کیا ہے۔

قال السخاوی مع انه (ای الذهبی) اتبع ابن عدی فی ایراد کل من تکلم فیه ولو کان ثقة لکنه التزم انه لا یذکر لاحد من الصحابة والائمة المتبوعین.

علامہ سخاوی فرماتے ہیں ذہبی نے ہر متکلم فیہ (اگر چہ وہ ثقہ ہو) کا ذکر کرنے میں ابن عدی کا اتباع کیا ہے، لیکن انہوں نے صحابہ اور ائمہ متبوعین میں سے کسی کا قصداً تذکرہ نہیں کیا۔

بلکہ خود علامہ ذہبی نے میزان کے دیباچہ میں اس کی تصریح کردی ہے:

وکذا لا اذکر فی کتابی من الائمة المتبوعین فی الفروع احدا لجلالتهم فی الاسلام وعظمتهم فی النفوس مثل ابی حنیفة والشافعی والبخاری.

اوراسی طرح نہیں ذکر کیا میں نے اپنی کتاب میں ان ائمہ کا جن کی اتباع فروعات میں کی جاتی ہے اسلام میں ان کی بزرگی اور دلوں میں ان کی عظمت کی وجہ سے، مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام بخاریؒ۔

جبکہ علماء ثقات ائمہ متبوعین کے عدم ذکر کی تصریح کررہے ہیں تو پھر اس عبارت کے الحاقیہ ہونے میں کیا شک شبہ ہوسکتا ہے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ علامہ ذہبیؒ نے اپنی کتاب میزان الاعتدال کے ص ۳ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے:

فان ذکرت احداً منهم فاذکره علی الانصاف وما یضره ذالك عندالله وعند الناس اور اگر ان میں سے میں کسی کا تذکرہ کروں گا تو انصاف کے ساتھ کروں گا جو عنداللہ اور عندالناس مضر نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذہبی نے صحابہ اور ائمہ متبوعین کا ذکر بھی کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ذہبیؒ کی اس عبارت سے فقط ذکر کا احتمال پیدا ہوتا ہے، مگر حافظ عراقی، جلال الدین سیوطی اور سخاوی جو ذہبی سے متاخر ہیں اور ان حضرات نے بار بار میزان الاعتدال کا مطالعہ کیا ہے اور وہ صاف اور واضح لفظوں میں عدم ذکر کی تصریح کرتے ہیں تو کہنا پڑے گا کہ فی الواقع صحابہ کرام اور ائمہ متبوعین کا ذکر اس کتاب میں مستقلاً نہیں ہے یا یوں کہا جائے کہ ذہبی نے ذکر استقلالی کی نفی کی ہے اور ضمنی ذکر کا اثبات اور امام اعظمؒ کی جرح کے متعلق علامہ ذہبی کی طرف جو عبارت منسوب کی جاتی ہے اس کی حیثیت مستقل عبارت کی ہے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ عبارت الحاقیہ ہے، اس موقع پر بعض معترضین میزان الاعتدال کی عبارت ذیل کو پیش کرکے امام صاحبؒ کی تضعیف کرتے ہیں:

اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت الکوفی عن ابیه عن جده قال ابن عدی ثلثهم الضعفاء.

اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت کوفی اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں ابن عدی نے کہا یہ تینوں ضعیف ہیں۔ (میزان الاعتدال، ج۱، ص۹۰)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب علامہ ذہبی کے نزدیک ضعیف ہیں، کیونکہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں خود معذرت کی ہے اور ابن عدی کی موافقت سے اپنی براۃ ظاہر فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

وفیه من تکلم مع ثقته وجلالته بادنی لین وباقل تخریج فلولا ابن عدی او غیره من مؤلفی کتب الجرح ذکروا ذالك الشخص لما ذکرته لثقة ثم قال لا انی ذکرته لضعف فیه عندی الخ.

اس کتاب (کامل) میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن کے بارے میں باوجود ان کی ثقاہت اور جلالت کے معمولی نرمی کی بنا پر جرح کی گئی ہے اگر ابن عدی یا دوسرے مؤلفین کتب جرح نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں ہرگز ان کی ثقاہت کی وجہ سے ان کا ذکر نہ کرتا۔ پھر آگے فرمایا کہ میں نے ان کا ذکر ہرگز اس لیے نہیں کیا ہے کہ وہ میرے نزدیک ضعیف راوی ہیں۔

جبکہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ اور تقریب میں امام ابوحنیفہؒ کی تعدیل بخوبی فرما رہے ہیں، پھر باوجود اس صراحت کے ذہبی کی طرف تضعیف کا انتساب سراسر نفسانیت اور اور حق پوشی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ امام ذہبی نے امام ابوحنیفہؒ کا ذکر باب الالف میں کر دیا ہے، لہٰذا یہ دعویٰ کہ میزان میں ائمہ کا ذکر نہیں ہے غلط ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ضمناً ذکر ہے نہ کہ مستقلاً اور ضمنی ذکر کی نفی نہیں کی ہے، ضمناً تو جا بجا میزان میں امام بخاری کا ذکر بھی آ گیا ہے، چنانچہ اسی میزان میں ہے ابوذرعہ اور ابوحاتم نے بخاری سے روایت چھوڑی ہے۔

(۲) نسائی کتاب الضعفاء مطبوعہ الٰہ آباد، ص ۲۵ میں ہے:

وابو حنيفة ليس بالقوی فی الحديث. ابوحنیفہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔

امام نسائی سے اس جرح کے ناقل حسن بن رشیق ہیں (کما فی کتاب الضعفاء مطبوعہ الٰہ آباد، ص ۳۴) حسن بن رشیق ان لوگوں میں ہیں کہ جن پر حافظ عبد الغنی اور دار قطنی نے جرحیں کی ہیں، ج ۱، ص ۳۰، لہٰذ حسبِ قاعدہ حسن بن رشیق خود مجروح ہوئے اور مجروح کی روایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی تو ان کی روایت سے امام ابوحنیفہ کو مجروح ٹھیرانا غلط اور لغو ہے۔

ثانیاً: امام نسائی ان متعنتین اور متشددین میں سے ہیں جنہوں نے بخاری و مسلم کے بہت سے راویوں پر محض تعنت سے جرح کر دی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

احمد بن صالح المصری تحامل عليه النسائی الحسن بن الصباح البزور تعنت فيه النسائی حبيب المعلم متفق علی توثيقه لکن تعنت فيه النسائی محمد بن بکر البرسانی لينه النسائی بلا حجة نعيم بن حماد ضعفه النسائی بلا دليل.

احمد بن صالح مصری، حسن بن صباح البزور، حبیب المعلم، محمد بن ابی بکر البرسانی (اگر چہ ان کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے) نعیم بن حماد یہ سب قابل اعتماد ہیں، لیکن امام نسائی نے ان سب کی بلا دلیل تضعیف کی ہے۔

یہ پانچوں راوی ایسے معتبر اور ثقہ ہیں کہ امام بخاری نے احتجاجاً ان سے روایت کی ہے، مگر امام نسائی نے بوجہ تعنت کے ان کی بھی تضعیف کر دی ہے۔

اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بذیل ترجمہ حارث بن عبد اللہ لکھا ہے:

حديث الحارث فی سنن الاربعة والنسائی مع تعنته فی الرجا ل فقد احتج به النسائی مع تعنته.

حارث کی حدیث سنن اربعہ اور نسائی سب میں موجود ہے باوجودیکہ امام نسائی رواۃ کے سلسلہ میں بہت متعنت (سخت گیر) ہیں، مگر ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور سیوطی نے زہر ابی المجتبیٰ میں لکھا ہے:

فكم من رجل اخرج لـه ابوداؤد والترمذی وتجنب النسائی اخراج حديثه به تجنب اخراج حديث جماعة من

رجال الصحیح الخ.

کتنے ہی ایسے حضرات ہیں جن سے ابوداؤداور ترمذی نے روایت نقل کی ہے، لیکن امام نسائی نے اجتناب کیا ہے، بلکہ اور بہت سے صحیح (صحیح بخاری) کے راویوں سے نسائی نے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کیا ہے۔

جبکہ حسب تصریح ابن حجر وسیوطی وغیرہم امام نسائی متعنتین میں سے ہیں تو ان کی جرح ایسے امام کے حق میں جس کا ثقہ اور جید الحافظہ ہونا بڑے بڑے ثقات ونقادفن کے بیان سے ثابت ہے کس طرح مقبول ہوسکتی ہے۔

ثالثاً: جو کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ تسلیم کی گئی ہے یعنی صحیح بخاری اس کے بعض رواۃ پر بھی کثیر الغلط والخطا کی قسم کی جرحیں منقول ہیں، مگر امام بخاری نے اپنے صحیح میں ان سے روایت کی ہے، چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں ہے:

قبیصه بن عقبه قال احمد ابن حنبل کان کثیر الغلط و کان ثقة لا باس.

وضاح بن عبداللّٰه قال ابو حاتم کان یغلط کثیرا

جریر بن حاذم قال امام احمد بن حنبل کثیر الغلط وقال الاثرم عن احمد حدث بمصر احادیث وهم فیها ولم یکن یحفظ.

سلیمان بن حیان عن ابی داؤد اتی من سوء حفظه فیغلط و یخطی.

عبدالعزیز بن حجر قال ابو ذرعه سیئی الحفظ ربما حدث من حفظ السیئی فیخطی.

قبیصہ بن عقبہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ بہت غلطی کرنے والا تھا پھر بھی ثقہ تھا۔

ابوحاتم نے وضاح بن عبداللہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ بہت غلطی کیا کرتا تھا۔

جریر بن حازم کے لیے امام احمد بن حنبل نے فرمایا وہ بہت غلطی کرنے والا تھا اور اثرم نے احمد سے روایت کی کہ اس نے مصر میں ایسی احادیث بیان کی جن میں اس کو وہم تھا اور اچھی طرح یاد نہیں تھیں۔

سلیمان بن حیان کے بارے میں ابو دؤد کہتے ہیں کہ حافظہ کی کمزوری کے باوجود انہوں نے روایت کی، اس لیے ان سے لغزش ہوئیں۔

عبدالعزیز بن حجر کے متعلق ابوذرعہ نے فرمایا کہ ان کا حافظہ خراب تھا اور اکثر اسی خراب حافظہ کی بنیاد پر حدیث بیان کرتے، چنانچہ غلطی کرتے تھے۔

اس قسم کے اور بہت سے رواۃ ہیں جن سے بخاری نے روایت کی ہے، اگر کسی کے کثیر الغلط کہہ دینے سے ثقہ وصدوق راوی ضعیف اور قابل ترک ہوجاتا ہے تو پھر صحیح بخاری بجائے اصح الکتب ہونے کے اضعف الکتب ٹھہرے گی۔

رابعاً: ابوعبدالرحمٰن نسائی نے سنن نسائی یعنی مجتبیٰ کو سنن کبریٰ سے منتخب کرکے مرتب کیا ہے اور خود اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اس کی کل حدیثیں صحیح ہیں چنانچہ سیوطی اپنی کتاب زہرابی میں لکھتے ہیں:

قال محمد بن معاویة الاحمر الراوی عن النسائی قال النسائی کتاب السنن کله صحیح و بعضه معلول الا انه لم یبق علته والمنتخب المسمی بالمجتبی صحیح کله و ذکر بعضهم ان النسائی لما صنف السنن الکبریٰ اهداه الی الامیر

فقال له الامیر اکل ما فی هذا صحیح قال لا قال فجرد الصحیح منه فصنف له المجتبیٰ.

نسائی کے راوی محمد بن معاویہ فرماتے ہیں امام نسائی نے فرمایا کہ کتاب السنن ساری صحیح ہے، صرف اس کا کچھ حصہ معلول ہے مگر اس کی علت باقی نہیں رہی اور منتخب جس کا نام مجتبیٰ ہے وہ سب صحیح ہے، بعض حضرات نے کہا کہ امام نسائی نے جب سنن کبریٰ تصنیف کی تو امیر کو بطور ہدیہ پیش فرمائی، امیر نے معلوم کیا اس کی ساری حدیثیں صحیح ہیں، امام نسائی نے فرمایا نہیں، امیر نے کہا اس میں سے صحیح احادیث منتخب کر دیجئے، چنانچہ اس کے بعد مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔

اور نسائی کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی مثلاً ابن مندہ بن عدی، دارقطنی اور خطیب بغدادی وغیرہم نے بھی مجتبیٰ کو صحیح قرار دیا ہے۔

زہرابی اور فتح المغیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور سنن نسائی میں امام ابوحنیفہ کی روایت موجود ہے۔

تہذیب التہذیب میں ہے:

وفی کتاب النسائی حدیثه عن عاصم عن ابی عباس قال لیس علی من اتی بهیمة حد الخ

اور نسائی میں ان کی روایت عاصم سے ان کی ابن عباس سے کہ فرمایا بہیمہ سے جماع کرنے والے پر حد نہیں ہے۔

اور تقریب اور خلاصہ تدریب میں نعمان بن ثابت کے نام پر (شم زس) علامت مرقوم ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ شمائل ترمذی و جز القرأۃ للبخاری اور نسائی کے راوی ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر واقعی نسائی کے نزدیک امام ابوحنیفہ غیر قوی کثیر الغلط والخطا تھے تو نسائی نے ان سے کیوں روایت کی اور اپنی کتاب کو صحیح کلہ کیوں کہا، پس حسب خیال معترض نسائی کے دونوں قولوں میں تعارض و تہافت ہے۔

مگر ہم معترض کو دو توجیہ ایسی بتلاتے ہیں کہ نہ حضرت امام ابوحنیفہ پر کوئی حرف آئے گا اور نہ امام نسائی پر۔

ممکن ہے کہ پہلے امام نسائی نے امام ابوحنیفہؒ کو غیر قوی خیال کیا ہو مگر بعد تتبع و تحقیق کے معلوم ہوا ہو کہ امام ابوحنیفہؒ ثقہ ہیں اور پہلے خیال سے رجوع کر لیا ہو یا یوں کہا جائے:

لیس بالقوی فی الحدیث ای علی شرط النسائی وهو کثیر الغلط والخطاء ای فی فهم المعنی

حدیث میں قوی نہیں تھے یعنی نسائی کے شرط کے مطابق اور وہ بہت غلطی کرنے والے تھے یعنی معنی کے سمجھنے میں۔

چونکہ رواۃ کے باب میں نسائی کی شرطیں بہت سخت ہیں، اپنی شروط اور اصطلاح کے اعتبار سے لیس بالقوی کہہ دیا ہے، چنانچہ زہرابی ص۳ میں ہے:

بل تجنب النسائی اخراج حدیث جماعة من رجال الصحیحین فحکی ابو الفضل من طاهر قال سعد بن علی الریحانی عن رجل موثقة فقلت له ان النسائی لم لم یحتج به فقال یا بنی ان لابی عبد الرحمٰن شرطا فی الرجال اشد من شرط البخاری والمسلم.

بلکہ امام نسائیؒ نے صحیحین کے راویوں کی ایک جماعت سے روایت کرنے میں احتراز کیا۔ ابوالفضل نے طاہر سے نقل کیا ہے کہ سعد بن علی الریحانی نے ایک شخص کے بارے میں کہا کہ وہ ثقہ ہے، میں نے ان سے کہا کہ پھر نسائی نے ان کو قابل حجت کیوں نہیں قرار دیا،

انہوں نے فرمایا صاحب زادے رجال کے بارے میں ابوعبدالرحمٰن کی شرط بخاری ومسلم سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اور چونکہ حافظ نسائی محدث شافعی تھے، غوامض فقہ کی جانب امام ابوحنیفہؒ کی طرح ان کی توجہ نہ رہی ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے بعض مسائل مستنبطہ کو اپنے ظاہر فہم کے خلاف سمجھا ہوگا اور کچھ ایسا ہی اکثر محدثین کا حال تھا، اپنے ظن کے اعتبار سے کہہ دیا ہوگا۔

کثیر الغلط والخطاء ای فی فهم المعنی ہماری اس توجیہ سے نہ امام صاحب کا سیئی الحفظ ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ نسائی کے اقوال میں تعارض باقی رہتا ہے، اگر معترض محض ضد سے ان توجیہات کو نہ مانے تو پھر امام نسائی کو کثیر الغلط والخطاء کہنا پڑے گا، اس لیے کہ کثیر الغلط والخطاء سے روایت کر کے اسے صحیح بتلانا جید الحافظ کا کام نہیں، کیا معترض کی غیرت تقاضہ کرتی ہے کہ امام نسائیؒ کو کثیر الغلط والخطاء اور سیئی الحافظة کا خطاب دے۔

(۳) ابن عدی، میزان الاعتدال میں ہے: ثلثهم الضعفاء یعنی اسماعیل، حماد اور ابوحنیفہ تینوں ضعیف ہیں۔

اقول اولاً: ابن عدی کی جرح قابل وثوق نہیں، اس لیے کہ انہوں نے بہت سے قابل وثوق اور ثقات کو بھی اپنی کامل میں مجروح بنادیا ہے، ذہبی میزان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وفيه من تكلم فيه مع ثقته وجلالته بادنى لين واقل تخريج فلولا ابن عدى وغيره من مؤلفى كتب الجرح ذكروا ذالك الشخص لما ذكرته لثقته الخ.

اس کتاب (کامل) میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن پر ان کی ثقاہت وجلالت کی معمولی کمزوری بنا پر جرح کی گئی ہے، اگر ابن عدی وغیرہ یا دوسرے مؤلفین کتب جرح نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی (ان کی ثقاہت کی وجہ سے) ہرگز ان کا ذکر نہ کرتا۔

اور میزان کے اخیر میں لکھتے ہیں:

فاصله وموضوعه فى الضعفاء وفيه خلق من الثقات ذكرتهم للذب عنهم ولان الكلام غير مؤثر فيهم ضعفاء الخ.

ابن عدی کی کتاب کا اصل موضوع ضعفاء ہے، اگر چہ اس میں بہت سے ثقات کا بھی ذکر ہے، میں نے ان کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے کہ میں ان کی طرف منسوب ضعف کو دور کردوں یا یہ بتاؤں کہ ان کے بارے میں ضعف کہ بات غیر مؤثر ہے۔

اور جعفر بن ایاس کے ترجمہ میں لکھا ہے:

اورده ابن عدى فى كامله فاساء.

ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ان کا تذکرہ کر کے غلطی کی۔

اور حماد بن سلیمان کے ترجمہ میں تحریر ہے:

تكلم فيه للارجاء ولو لا ذكر ابن عدى له ما ذكرته.

ان کے بارے میں ارجاء کی وجہ سے کلام کیا ہے، لیکن اگر ابن عدی نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی ہرگز نہ کرتا۔

اور حمید بن حلال کے ترجمہ میں ہے:

وهو فى كامل ابن عدى مذكور فلهذا ذكرته والا فالرجل حجة.

چونکہ ابن عدی کی کامل میں ان کا تذکرہ ہے، اس لیے میں نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اوراشعث بن مالک کے ترجمہ میں لکھا ہے:

قلت انما اوردته لذکر ابن عدی له فی کامله.

میں نے ان کا ذکراس لیے کیا ہے کہ ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اوراسی مضمون کی بہت سی عبارتیں میزان میں موجود ہیں، زین الدین عراقی نے شرح الفیہ میں لکھا ہے:

ولکنه (ای ابن عدی) ذکرفی کتابه الکامل من تکلم فیه وان کان ثقة.

لیکن ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ہر متکلم فیہ کا تذکرہ کیا ہے اگر چہ وہ ثقہ ہو۔

اورسخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے:

ولکنه توسع لذکره کل من تکلم فیه وان کان ثقة ولذا لا یحسن ان یقال الکامل للنا قصین الخ.

لیکن ابن عدی نے اپنے کلام کو وسعت دے کر ہر متکلم فیہ کا تذکرہ کیا اگر چہ وہ ثقہ ہو، اسی لیے یہ کہنا درست نہیں کہ کامل میں صرف ناقصین کا تذکرہ ہے۔

بلکہ ابن عدیؒ نے بہت سارے رجال بخاری میں بھی کلام کیا ہے، ازاں جملہ ثابت ابن محمد العابد وسلیمان بن حیان وحسان بن ابراہیم وغیرہم ہیں کمافی مقدمہ فتح الباری، پس ابن عدی جیسے متوسع کی جرح ایسے امام اعظم کے حق میں جن کو یحییٰ، شعبہ، وکیع اور علی ابن المدینی وغیرہم ثقہ وصدوق اور جید الحافظہ کہہ رہے ہوں کیونکر مقبول ہوسکتی ہے۔

ثــانیــاً: ابن عدی کی جرح مبہم ہے اور حسب قاعدہ اصول تعدیل مفسر کے ہوتے ہوئے جرح مبہم غیر مقبول ہے کمامر فی مقدمہ، اس لیے یہ جرح قابل اعتبار نہیں۔

(۴) امام بخاریؒ، محمد بن اسماعیل بخاری کی طرف انتساب کہ ان کے کلام سے امام ابوحنیفہؒ کا ناقص الحافظہ ہونا ثابت ہوتا ہے انتہائی جرأت اور دلیری ہے، کیونکہ امام بخاری کی کوئی ایسی عبارت پیش نہیں کی جاسکتی جس سے معترضین کا دعوی پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہو، یہ محض امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حسد، بغض اور کینہ ہے کہ بے خوف وخطر جو جی میں آیا کہہ دیا، اس کو بجز بغض کے اور کیا کہا جائے۔

حافظ ابن عبدالعزیز ابن ابی روّاد نے اپنی خداداد فراست سے ٹھیک ہی فرمایا ہے جس کو ابن حجر مکی نے خیرات حسان کے ص ۳۵ میں لکھا ہے:

فـقــال الـحافظ عبد العزیز بن رواد من احب اباحنیفة فهو سنی ومن ابغضه فهو مبتدع وفی روایته بیننا وبین الناس ابوحنیفة فمن احبه وتولاه علمنا انه من اهل السنة ومن ابغضه علمنا انه من اهل البدعة الخ .

حافظ عبدالعزیز ابن روّاد نے فرمایا جو شخص امام ابوحنیفہؒ سے محبت کرتا ہے وہ سنی ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ بدعتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہمارے اور پہلے لوگوں کے درمیان میں امام ابوحنیفہؒ ہیں، پس جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ ہمارے نزدیک اہل سنت میں سے ہے اور جو بغض رکھتا ہے وہ اہل بدعت میں سے ہے۔

ہاں بعض غیر مقلدین سیدھے سادھے عوام کو بہکانے کے لیے کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الضعفاء میں لکھا ہے:

کان مرجیئا سکتو ا عن رائه وحدیثه . امام صاحب مرجی تھے، لوگوں نے ان کی رائے اور حدیث سے سکوت اختیار کیا۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں:

اولاً: امام بخاریؒ کی کتاب الضعفاء جو آگرہ الہ آباد سے چھپ کر شائع ہوئی ہے اس میں اس مضمون کا کوئی جملہ نہیں موجود ہے، نیز امام بخاریؒ کی کتاب ادب المفرد، جزالقرأۃ اور خلق العباد میں بھی یہ عبارت نہیں ہے، برتقدیر ثبوت اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کو امام ابوحنیفہؒ سے سخت منافرۃ مذہبی تھی جیسا کہ امام بخاریؒ کی تصنیفات سے ظاہر ہے، لہٰذا یہ جرح بوجہ منافرۃ مذہبی کے قابل وثوق نہیں ہوسکتی، چنانچہ ذہبی، ابن حجر اور وصی الدین خزاجی وغیرہم نے اس جرح کی کچھ بھی وقعت نہیں کی اور لا یعبا بہ سمجھ کر ذکر تک نہیں کیا ہے۔

ثانیاً: کان مرجیئاً سے کیا مراد ہے، اگر مرجۂ ملعونہ مراد ہے تو سراسر غلط ہے، اس لیے کہ فقہ اکبر میں خود امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے:

لا نقول حسناتنا مقبولة و سيئاتنا مغفورة كقول المرجئة ولكن نقول من عمل صالحا بجميع شرائطهاخالية عن العيوب المفسدة ولم يبطلها حتى يخرج من الدنيا مومنا فان اللّٰه تعالىٰ لا يضيعها بل يقبلها منه ويثيبه عليها الخ.

ہم مرجۂ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ یقیناً ہماری تمام نیکیاں مقبول اور گناہ معاف ہیں، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص تمام شرائط کے ساتھ نیک عمل کرے گا بشرطیکہ ان کو فاسد و باطل کرنے والا کوئی کام نہ کرے یہاں تک کہ ایمان پر خاتمہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو ضائع نہیں فرمائے گا، بلکہ قبول فرما کر اس پر اجر دے گا۔

اور خیرات الحسان ص ۷۳ پر ہے:

قال شارح المواقف كان غسان المرجئى يحكى ما ذهب اليه من الارجاء عن ابى حنيفةؒ ويعده من المرجئة وهو افتراء عليه قصد به غسان ترويج مذهبه بنسبة الىٰ هذاالامام الجليل الشهير وقال الشهرستانى فى الملل والنحل ومن العجب ان الغسانى كان يحكى عن ابى حنيفة مثل مذهبه ويعده من المرجئة ولعله كذب عليه.

شارح مواقف نے فرمایا کہ غسان مرجی ایسے باتیں بیان کرتا تھا جن سے امام صاحب کا مرجی ہونا ظاہر ہو اور وہ امام صاحبؒ کو فرقہ مرجیہ سے شمار کرتا تھا۔ غسان نے قصداً امام صاحب پر یہ بہتان لگایا، وہ اس جلیل القدر امام کی طرف اپنے مذہب کو منسوب کر کے اپنے مذہب کی اشاعت کا کوشاں تھا۔ شہرستانیؒ نے الملل والنحل میں فرمایا ہے تعجب ہے کہ غسانی امام صاحب کی طرف اپنے مسلک مرجیہ کی باتیں منسوب کرتا تھا اور ان کو مرجیہ کہتا تھا، یہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔

اور اگر مرجیہ سے مرجیہ مرحومہ مراد ہے تو تمام اہل سنت و جماعت اس میں داخل ہیں، تمہید ابوشکور سالمی میں ہے:

ثم المرجئة على نوعين مرحومة وهم اصحاب النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ومرجئة ملعونة وهم الذين يقولون بان المعصية لا تضر ولا يعاقب وروى عن عثمان بن ابى ليلىٰ انه كتب الى ابى حنيفةؒ وقال انتم مرجئة فاجابه بان المرجئة على ضربين مرجئة ملعونة وانا برئى منهم ومرجئة مرحومة و انا منهم و كتب فيه بان الانبياء كانوا كذالك الا ترىٰ الى قول عيسى عليه السلام قال ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم.

پھر مرجیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مرجیہ مرحومہ، وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۲) مرجیہ ملعونہ، یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ گناہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، نہ اس پر عذاب کیا جاتا ہے۔ عثمان بن ابی لیلیٰ نے ایک مرتبہ امام صاحب کو خط لکھا تھا کہ آپ لوگ مرجیہ ہیں؟ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ مرجیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مرجیہ ملعونہ، میں ان سے بالکل بری اور بیزار ہوں (۲) مرجیہ مرحومہ، یقیناً میں ان میں

شامل ہوں بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ایسے ہی تھے، کیا حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول تم کو معلوم نہیں ''اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت فرمائے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے''۔

پس معلوم ہوا کہ بخاریؒ کا یہ قول کہ ان کی حدیث اور رائے کو لوگوں نے چھوڑ دیا محض غلط اور سراسر غلط ہے۔

ثالثاً: عقود الجواہر المنیفہ ص ۱۱ میں حافظ موصلی کی کتاب الضعفاء سے منقول ہے:

قال یحییٰ بن معین ما رأیت احداً قدم علی و کیع و کان یفتی برأی ابی حنیفةؒ و کان یحفظ حدیثه کله و کا ن قد سمع عن ابی حنفیةؒ حدیثاً کثیرا

یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ میں نے کسی کو نہیں پایا کہ اس کو وکیع پر مقدم کیا گیا ہو اور وہ امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور ان کی تمام احادیث کو حفظ کرتے تھے، انھوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت حدیثیں سنیں۔

اور مناقب کردری ص ۱۰۰ میں ہے:

سعید بن یحییٰ الحمیری الواسطی احد ائمة واسط واحد حفاظها روی عنه (ای ابی حنیفة) واخذ منه و کان یقول انه جد هذه الامة وایضاً منه ج ۱ ص ۲۱۹ عبداللّٰه بن یزید المقری المکی سمع من الامام تسع مائة حدیث

اور سعید بن یحییٰ حمیری واسطی واسط کے ایک امام اور حافظ حدیث تھے، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے اور ان سے علم حاصل کیا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ برتر الامت ہیں اور مناقب ہی کے ص ۲۱۹ پر ہے کہ عبداللہ بن یزید المقری مکیؒ نے امام صاحب سے نوسو حدیثیں سنیں۔

اور خیرات الحسان ص ۲۳ میں ہے:

قال ابن المبارك کان افقه الناس وما رایت افقه منه وعنه ان احتج للرائی فرائی مالك وسفیان وابی حنیفة وهو افقهم واحسنهم وارقهم واغوضهم علی الفقه الخ.

ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ امام صاحبؒ سب سے بڑے فقیہ تھے، ان سے بڑا فقیہ میں نے کوئی نہیں دیکھا، نیز فرمایا اگر رائے کی ضرورت پڑے تو امام مالکؒ، سفیانؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے زیادہ قابل عمل ہے اور امام ابوحنیفہؒ سب سے بڑے عالم اور فقہ میں سب سے بہتر مدقق اور محقق ہیں۔

وقال ابو یوسف الثوری اکثر متابعة لابی حنیفة منی.

ابو یوسف ثوریؒ فرماتے ہیں میں اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کی اتباع کرتا ہوں۔

وقال یحییٰ بن سعید القطان ما سمعنا احسن من رای ابی حنیفة ومن ثم کان یذهب فی الفتویٰ الی قوله.

یحییٰ بن سعید قطانؒ فرماتے ہیں ہم نے امام ابوحنیفہ سے بہتر کسی کی رائے نہیں سنی، اسی لیے ان کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

وقال ابن المبارك رأیت مسعرا فی حلقة ابی حنیفة یسأله ویستفید منه.

ابن مبارک فرماتے ہیں میں نے مسعرؒ کو امام صاحب کے حلقہ درس میں سوال اور استفادہ کرتے دیکھا۔

خیرات الحسان ص ۲۶ میں ہے، ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

الفصل الثانی فی ذکر الآخذین عنه الحدیث والفقه قیل استیعابه معذر لا یمکن ضبطه ، ومن ثم قال بعض الائمة لم یظهر لاحدمن ائمة الاسلام المشهورین مثل ما ظهر من الاصحاب والتلامیذ

دوسری فصل امام صاحب سے حدیث وفقہ حاصل کرنے والوں کے بیان میں ہے، کہا گیا ہے کہ ان کا شمار اتنا مشکل ہے کہ احاطہ ناممکن ہے، اسی وجہ سے بعض ائمہ کا قول ہے کہ ائمہ اسلام میں امام ابوحنیفہؒ کے برابر کسی کے شاگرد نہیں ہوئے۔

ذرا انصاف سے ملاحظہ فرمایئے، وکیع، ابن یحییٰ الواسطی، ابن مبارک، سفیان ثوری، مسعر ابن کدام، یحییٰ بن سعید القطان وغیرہم کس زور سے آپ کے فقہ اور رائے کی تعریف وتوصیف کر رہے ہیں اور آپ سے ہزاروں نے حدیث وفقہ حاصل کیا ہے، بلکہ آپ کی برکت سے ہزاروں مقبول خلائق ہوگئے ہیں کما فی مناقب کردری و مناقب موفق لا بن احمد مکی باوجود اس کے امام بخاریؒ فرماتے ہیں: سکتو ا عن رایه و حدیثه. بتلایئے اس کو منافرتِ مذہبی پر اگر محمول نہ کیا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

رابعاً: اگر امام بخاریؒ کے نزدیک ارجاء کی وجہ سے راوی قابل ترک ہوجاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں فرقہ باطلہ یعنی مرجیہ، ناصبیہ، خارجیہ، شیعہ، اور جہمیہ، قدریہ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہم سے روایت کی، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں اس کی تفصیل نام بنام لکھی ہے، ہم اس موقع پر ان چار فرق باطلہ کی مجموعی تعداد الگ الگ بتلاتے ہیں جو صحیح بخاری کے راوی ہیں: مرجیہ ۱۳، شیعہ ۲، قدریہ ۲۸ اور ناصبیہ ۵، غور فرمایئے کیا غیر مقلدین کے خیال کے بموجب صحیح بخاری اضعف الکتب ثابت نہیں ہوئی۔

جب بخاری کے رواۃ کا ذکر آ گیا تو مناسب ہوگا کہ بخاری کے چندرواۃ کا حال ذکر کردیا جائے۔ دنیا جانتی ہے کہ صحیح بخاری ایسی بے نظیر کتاب ہے کہ کتبِ حدیث میں اصح الکتب مانی گئی ہے اور اس پر دنیا کا اتفاق ہے اور واقعی حضرت امام بخاریؒ نے بڑا التزام کیا ہے، ان کی سعی اور عرق ریزی قابل قدر اور ان کی مقبولیت قابل آفریں وستائش ہے، جعل الله سعیه مشکورا اللہ ان کی کوشش قبول فرمائے۔

مگر اس میں بھی بہت سے ایسے رجال ہیں جن پر ہر قسم کی جرحیں ہوئی ہیں۔ حتیٰ کہ کذاب (بہت جھوٹا)

یکذب الحدیث	حدیث کے سلسلہ میں جھوٹ بولتا ہے
یسرق الحدیث	حدیث چراتا ہے
یضع الحدیث	حدیث گھڑتا ہے

جو اعلیٰ درجہ کی جرح ہے وہ بھی منقول ہے، چنانچہ بخاری کے مجروح راویوں کے نام بمعہ الفاظ جرح مقدمہ فتح الباری اور میزان الاعتدال میں ملاحظہ کئے جائیں جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

باوجود ان جرحوں کے امام بخاریؒ نے ان مجروح راویوں کو قابل ترک نہیں سمجھا اور نہ ان کی روایت چھوڑی بلکہ احتجاجاً یا استشہاداً ان کی روایت اپنی کتاب اصح الکتب میں داخل کردی اور اس کے باوجود دوسرے محدثین نے بخاری کے اصح الکتب ہونے کا انکار نہیں کیا، پھر کون سی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ پر بقاعدہ اصول کوئی جرح بھی عائد نہیں ہوتی، پھر بھی امام بخاریؒ نے ان کی کوئی روایت نقل نہیں کی بجز منافرت مذہبی کے اور کیا وجہ ہوسکتی ہے، پس جبکہ منافرت مذہبی بیّن دلیل سے ثابت ہے تو امام بخاری کی جرح امام ابوحنیفہ کے حق میں کیا مؤثر ہوسکتی ہے۔

خامساً: بخاری جس کو مجروح سمجھیں اگر اس کی روایت قابل ترک ہے تو صدہا راوی مسلم ونسائی وترمذی اور ابوداؤد وغیرہا کے جن سے بخاری نے روایت نہیں کی ہے بلکہ ان کو مجروح کہا ہے اس قاعدہ سے قابل ترک ہوجاتے ہیں، حالانکہ محدثین نے ان کو قابل ترک نہیں سمجھا

ہے، پس امام ابوحنیفہؒ امام بخاریؒ کی جرح کی وجہ سے کیوں مجروح ہو جائیں گے۔ امام بخاریؒ نے تو کتاب الضعفاء میں حضرت اویس قرنی کو فی اسناده نظر ان کی سند محل نظر ہے کہہ دیا ہے اور بخاریؒ کی اصطلاح میں یہ سخت جرح ہے، حالانکہ حضرت اویس قرنیؒ کی فضیلت وخیریت صریح احادیث میں موجود ہے، پس ایسی جرح سے اویس قرنی ہرگز مجروح نہیں ہوسکتے۔

سادساً: اگر امام بخاریؒ کو اپنی جرح پر وثوق اور اعتماد ہوتا تو جن راویوں پر خود جرح کرتے ہیں ان سے روایت نہ کرتے، حالانکہ صحیح بخاری میں متعدد راوی ایسے بھی ہیں کہ ان کو بخاری نے مجروح قرار دیا ہے اور خود ان سے روایت بھی کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ان راویوں کے نام جن سے بخاریؒ نے روایت کی ہے اور خود ان پر جرح بھی کی ہے:

(١) اسيد بن زيد الجلال قال الذهبى فى الميزان والعجب ان البخارى اخرج له فى صحيحه وذكره فى كتاب الضعفاء.

علامہ ذہبی نے میزان میں فرمایا کہ تعجب ہے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں اسید بن زید سے روایت بھی بیان کی ہے اور کتاب الضعفاء میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

(٢) ايوب بن عائذ قال البخارى فى كتاب الضعفاء كان يرى الارجاء وهو صدوق.

ایوب بن عائذ کے لیے بخاریؒ نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے وہ ارجاء کو پسند کرتے تھے حالانکہ وہ سچے تھے۔

(٣) ثابت بن محمد قال الذهبى مع كون البخارى حدث عنه فى صحيحه ذكره فى الضعفاء.

ذہبی نے فرمایا کہ باوجود اس کے کہ بخاریؒ نے ثابت بن محمد سے روایت کی ہے ان کو ضعیفوں میں شمار کیا ہے۔

(٤) زهير بن محمد قال البخارى فى كتاب الضعفاء روى عنه اهل الشام مناكير.

زہیر بن محمد کے لیے بخاریؒ نے کتاب الضعفاء میں فرمایا کہ ان سے اہل شام نے منکرات کو روایت کیا ہے۔

(٥) زياد بن الرسغ قال البخارى فى اسناد حديثه نظر كذا فى الميزان.

زیاد بن رسغ کے لیے بخاریؒ نے فرمایا کہ ان کی حدیث کی سند محل نظر ہے جیسا کہ میزان میں ہے۔

(٦) عطاء بن ميمونة قال البخارى فى كتاب الضعفاء كان يرى القدر وفى مقدمة فتح البارى وغير واحد كان يرى القدر كهمس بن منهاله قال الذهبى انهم بالقدر وله حديث منكرا دخله من اجله البخارى فى كتاب الضعفاء.

امام بخاریؒ نے کتاب الضعفاء میں فرمایا کہ عطا بن میمونہ قدر کی طرف مائل تھے اور فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بہت سے راوی قدر کی طرف مائل تھے جیسے ہمس بن منہالہ، ذہبی نے فرمایا کہ ان پر قدر کی تہمت لگائی گئی اور ان کے پاس منکر حدیث ہے، اسی لیے امام بخاری نے ان کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔

بنظر انصاف ملاحظہ فرمایئے، اگر امام بخاریؒ کو اپنی جرح پر وثوق تھا تو ان مجروحین سے کیوں روایت کی، جب بخاری کو اپنی جرح پر خود وثوق نہیں تو جائے تعجب ہے کہ مقلدین کو بخاری کو ان کی جرح پر کیسے وثوق ہو گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کو ضعیف الحدیث کہنے لگے۔

سابعاً: اگر معترض کے نزدیک بخاری کی جرح باوجود غیر صحیح اور خلافِ اصول ہونے کے امام ابوحنیفہؒ کے حق میں مؤثر ہے تو معترض کے نزدیک بخاریؒ کیوں نہ مجروح اور قابل ترک ہوں گے، کیا بخاری پر ائمہ حدیث سے جرحیں منقول نہیں ہیں، ہاں ضرور منقول ہیں۔

بطورِ تمثیل چند جرحیں ملاحظہ فرمائیے:

اول: بخاریؒ کے استاد امام ذہبی نے بخاری پر سخت جرح کی ہے، طبقاتِ شافعیہ ج ۲ ص ۱۲ میں ہے:

قال الذهبی الا من یختلف الی مجلسه (ای البخاری) فلا یاتینا فانهم کتبوا الینا من بغداد انه تکلم فی اللفظ ونهیناه فلم ینته فلا تقربوه.

امام ذہبیؒ نے فرمایا جو بخاری کی مجلس میں جاتا ہے وہ ہمارے پاس نہ آئے، کیونکہ بغداد سے ہمیں لوگوں نے لکھا ہے کہ بخاری الفاظ قرآن کے سلسلہ میں کلام کر رہے ہیں اور ہم نے ان کو اس سے منع کیا مگر وہ باز نہ آئے، لہٰذا ان کے پاس نہ جانا۔

خیال فرمائیے، ذہبی نے لوگوں کو امام بخاری کے پاس جانے سے منع کر دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہہ دیا:

من زعم ان لفظی بالقرآن مخلوق فهو مبتدع لا یجالس ولا یکلم (طبقات ج۲ ص ۱۲)

جو یہ سمجھے کہ میرے منہ سے نکلنے والے الفاظ قرآنی الفاظ مخلوق ہیں تو وہ بدعتی ہے، نہ اس کے پاس بیٹھا جائے اور نہ اس سے بات کی جائے۔

ذہبی کے اس کلام کا لوگوں پر ایسا اثر ہوا کہ اکثر لوگوں نے بخاری سے ملنا چھوڑ دیا۔ تاریخ ابن خلقان ج ۲ ص ۱۲۳ میں ہے:

فلما وقع بین محمد بن یحییٰ والبخاری ما وقع فی مسئلة اللفظ ونادیٰ علیه منع الناس من الاختلاف الیه حتی هجر وخرج من نیشابور فی ذالك المحنة وقطعه اکثر الناس غیر مسلم.

جب محمد بن یحییٰ اور بخاریؒ کے درمیان الفاظ قرآنی کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو انھوں نے لوگوں کو ان کے پاس (بخاری کے) جانے سے روک دیا، یہاں تک کہ اس آزمائش کے وقت میں امام بخاری کو نیشاپور سے ہجرت کرنا پڑی اور امام مسلم کے علاوہ اکثر لوگوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔

دوم: امام مسلمؒ نے باوجود اس رفاقت کے بخاری سے اپنی صحیح مسلم میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کہ بلکہ حدیثِ معنعن کی بحث میں ''بعض منتحلی الحدیث من عصرنا'' کے لفظ سے بخاری کو یاد کیا ہے اور بہت درشت اور نا ملائم الفاظ کہہ گئے، دیکھو مسلم ج ۱ ص ۱۲۔

سوم: ابوذرعہ اور ابو حاتم نے بخاری کو چھوڑ دیا، طبقات شافعیہ ج ۱ ص ۱۹۰ میں ہے:

ترکه (ای البخاری) ابو ذرعه وابو حاتم من اجل مسئلة اللفظ.

ابوذرعہ اور ابو حاتم نے الفاظ قرآن کے اختلاف کی وجہ سے بخاری کو چھوڑ دیا۔

اور میزان الاعتدال میں ہے:

کما امتنع ابو ذرعه وابو حاتم من روایة عن تلمیذه (ای ابن المدینی) محمد (البخاری) لاجل مسئلة اللفظ وقال عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کان ابوذرعه ترکه الروایة عنه من اجل ما کان منه فی تلك المحنة.

جیسا کہ ابوذرعہ اور ابو حاتم نے ان (علی ابن المدینی) کے شاگرد (امام بخاری) سے الفاظ قرآنی کے اختلاف کی بنا پر روایت کرنا ترک کر دیا عبدالرحمٰن بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اس آزمائش کی بنا پر ابوذرعہ نے امام بخاریؒ سے روایت کرنا ترک کر دیا۔

چہارم: ابن مندہ نے بخاریؒ کو مدلسین میں شمار کیا ہے۔ شرح مختصر جرجانی ص ۲۱۵ میں ہے:

عـده ابـن مـنـده فی رسالة شروط الائمة من المدلسین حیث قال اخرج البخاری فی کتبه قال لنا فلان وھی اجازة وقال فلان وھی تدلیس.

ابن مندہ نے بخاری کواپنے رسالہ شروط الائمہ میں مدلسین میں شمار کیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ بخاریؒ نے اپنی کتابوں میں اس طرح روایتیں بیان کی ہیں کہ ہم سے فلاں نے کہا''یہ اجازت ہے''اور فلاں نے کہا''یہ تدلیس ہے''۔

ظاہر ہے کہ تدلیس سوءِحفظ سے بڑھ کرعیب ہے، کیونکہ یہ فعل اختیاری ہے،اس میں مظنہ ومغالطہ وفریب ہے،اسی لیے شمنی نے کہا ہے کہ التدلیس حرام عند الائمة تدلیس ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔(مقدمة اصول شیخ المحدث الدھلوی علی المشکوٰة ص ۲)

غور فرمایئے، بخاریؒ نے ذہبیؒ سے تقریباً ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں،مگر جس نام سے وہ مشہور تھے کہیں نہیں ذکر کیا، کیونکہ بخاری و ذہبی میں سخت خشونت ومنافرت تھی۔تاریک ابن خلقان ج۲ص۱۳۴ میں ہے:

وروی (ای البـخاری) عنه (ذھبی) مقدار ثلثین موضعاً ولم یصرح باسمه فیقول حدثنا محمد بن یحییٰ الذھبی بل یقول حدثنا محمد ولا یزید علیه ویقول محمد بن عبدالله ینسبه الی جده وینسبه ایضاً الی جد ابیه.

امام بخاریؒ نے امام ذہبیؒ سے تیس مقامات پر روایت بیان کی ہیں اور کہیں بھی ان کا نام نہیں لیا کہ یوں کہتے ہم سے محمد بن یحییٰ ذہبی نے بیان کیا بلکہ صرف اس طرح کہتے ہیں کہ ہم سے محمد نے حدیث بیان کی، کہیں کہیں محمد بن عبداللہ ان کے دادا کی جانب منسوب کر کے کہتے ہیں اور بعض جگہ پردادا کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔

پنجم: دارقطنی اور حاکم نے کہا ہے کہ اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل سے بخاری کا حدیث روایت کرنا معیوب سمجھا گیا ہے۔مقدمہ فتح الباری میں ہے:

قال الدار قطنی والحاکم عیب علی البخاری اخراج حدیثه.

دارقطنی اور حاکم نے فرمایا کہ روایت حدیث میں بخاریؒ پر الزام لگایا گیا ہے۔

دارقطنی اور حاکم کا مطلب یہ ہے کہ اسحاق بن محمد کو بخاری نے ثقہ خیال کرلیا حالانکہ وہ ضعیف ہیں، ثقہ اور ضعیف میں امتیاز نہ کر سکے اور اسماعیل نے بخاری کے اس فعل پر تعجب کیا ہے کہ ابوصالح جہنی کی منقطع روایت کو صحیح سمجھتے ہیں اور متصل کو ضعیف۔مقدمہ فتح الباری ص۴۸۳ میں ہے:

وقـد عـاب ذالك الاسـمـاعیـلـي علی البخاری وتعجب منه کیف یحتج باحادیثه حیث یعلقلھا فقال ھذا عجیب یحتج به اذا کان منقطعا ولا یحتج به اذا کان متصلا.

اسماعیلی نے بخاری پر اس کا الزام لگایا اور تعجب کیا کہ ابوصالح جہنی کی احادیث سے کیونکر استدلال کرتے ہیں جبکہ انہوں نے فرمایا یہ اورزیادہ عجیب بات ہے کہ حدیث منقطع کو قابل حجت اور متصل کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

ششم: ذہبی نے بخاری کے بعض امور پر استعجاب ظاہر کیا ہے،اسید بن زید الجمال کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

والعجب ان البخاری اخرج له وذکر ہ فی کتاب الضعفاء.

تعجب ہے کہ بخاری اس سے روایت بھی کرتے ہیں اور اس کو ضعیف بھی کہتے ہیں۔

جوکسی راوی کوخود ضعیف بتلاوے اور پھر اصح الکتب میں اس سے روایت بھی کرے غور کرو اس سے قائل کے حافظہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔
معترضین ذرا انصاف کریں کہ اگر امام ابوحنیفہؒ امام بخاریؒ کی جرح کی وجہ سے ضعیف ہیں تو بخاری ابن مندہ اور ذہبی وغیرہ کی جرح کے سبب سے کیوں مجروح نہ ہوں گے۔

ہفتم: حسب قاعدہ معترضین جب بخاری خود مجروح ثابت ہوئے تو مجروح کی جرح امام ابوحنیفہؒ پر کیا اثر ڈال سکتی ہے، افسوس ہے کہ غیر مقلدین محض حسد سے امام ابوحنیفہ پر حملہ کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم اپنا گھر ڈھاتے ہیں۔ اگر امام ابوحنیفہ ضعیف کہے جائیں گے تو دنیا کے تمام محدثین ضعیف اور متروک الحدیث ہو جائیں گے۔ پرائے شگون کے لیے اپنی ناک کاٹ ڈالنا کون سی دانشمندی ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ محض اسکات خصم کے لیے یہ جرحیں نقل کی گئی ہیں جیسا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے اپنی کتاب تحفہ میں بمقابلہ شیعہ الزامی پہلو اختیار فرمایا ہے، ورنہ صداقت کے ساتھ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ دونوں ثقہ، صدوق، عادل ضابط، جید الحافظہ، عابد، زاہد اور عارف تھے، کوئی ان میں مجروح نہیں اور کسی کی حدیث قابل ترک نہیں، جن احوال سے امام بخاری کی جرحیں موضوع ہیں انہیں احوال سے امام ابوحنیفہ کی جرحیں مدفوع اور ساقط الاعتبار ہیں۔

ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذين سبقونا بالايما ن و لا تجعل فی قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا انك رؤف رحيم.

(۵) دار قطنی اپنی سنن ص ۱۲۳ میں لکھتے ہیں:

لم يسنده من ابن عائشه غير ابی حنيفة و الحسن بن عماره وهما ضعيفان

ابن ابی عائشہ سے سوائے ابوحنیفہؒ اور حسن بن عمارہ کے کسی نے روایت نہیں کی اور وہ دونوں ضعیف ہیں۔

اقول اولاً: یہ دو جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے ہوتے ہوئے جرح مقبول نہیں کما مر مراراً

ثانیاً: دار قطنی شافعی المذہب ہیں، بوجہ منافرتِ مذہبی کے ان سے یہ جرح صادر ہوئی، عینی نے عمدۃ القاری ج ا ص ۶۶ میں تحریر فرمایا ہے:

لو تادب دار قطنی واستحییٰ لما تلفظ عنده اللفظة فی حق ابی حنيفة فانه امام طبق علمه المشرق و المغرب.

اگر دار قطنی ادب وحیا سے کام لیتے تو امام اعظم کے بارے میں اس قسم کے الفاظ منہ سے نہ نکالتے، کیونکہ ان کی امامت اور ان کا علم دنیا میں مسلم ہے۔

اس کے بعد عینی نے یحییٰ بن معین وشعبہ وعبداللہ بن المبارک وسفیان بن عیینہ وسفیان ثوری وحماد بن زید وعبدالرزاق ووکیع و مالک وشافعی اور احمد سے امام ابوحنیفہ کی توثیق اور مناقب ذکر کر کے لکھا ہے:

وقد ظهرت من هذا تحامل الدار قطنی عليه و تعصب الفاسد وليس له بالنسبة الی هؤلاء حتی يتكلم فی امام متقدم علی هؤلاء فی الدين و التقوی و العلم و يتضعفه اياه وهو يستحق التضعيف افلا يرضی بسكوت اصحابه عنه وقد رویٰ فی سننه احاديث سقيمة ومعلولة ومنكرة وغريبة وموضوعة وقد رویٰ ضعيفه فی كتاب الجهر بالبسملة واحتج بها مع علمه بذالك حتی ان بعضهم استخلصه علی ذالك فقال ليس فيه حديث صحيح.

اور اس سے دار قطنی کا امام صاحب پر ظلم اور بے بنیاد تعصب ظاہر ہو گیا، دار قطنی کی ان حضرات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں کہ وہ ایسے

امام پر کلام کرتے ہیں جو دین، تقوی اور علم میں ان سب پر مقدم ہیں اور وہ ایسے امام کو ضعیف کہتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس کے مستحق ہیں، کیا وہ امام صاحب کی بابت اپنے اصحاب کے سکوت پر راضی نہیں، حالانکہ خود انھوں نے اپنی سنن میں ضعیف، معلول، منکر، غریب اور موضوع حدیثیں بیان کی ہیں اور انھوں نے جہر بسم اللہ کے سلسلہ میں ایک ضعیف روایت بیان کی اور ضعف کا علم ہونے کے باوجود اس سے استدلال کیا، یہاں تک کہ بعض حضرات نے ان سے حلف لیا تو خود کہا کہ واقعی اس میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

اور دارقطنی نے بہت سے ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ کہہ دیا ہے، سنن دارقطنی ص ۱۴ میں ہے:

ان عمر بن الخطاب كان يسخن له ماء في قمقمة ويغتسل به فهذا اسناد صحيح.

حضرت عمر بن الخطاب کے لیے برتن میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور وہ اس سے غسل کیا کرتے تھے۔

اس کی سند کو صحیح لکھ دیا، حالانکہ اس کی سند میں علی بن عزام اور ہشام بن سعد واقع ہیں جو مجروح ہیں۔ (الجوہر النقی ص ۳)

ثالثاً: دارقطنی نے امام بخاری پر بھی یہی عیب لگا دیا ہے، اسحق ابن محمد جو بخاری، ابوداؤد اور نسائی کے معتبر راوی ہیں ان کی روایت کی وجہ سے کہہ دیا ہے۔ (عيب على البخاري مقدمة فتح الباري ص ٤١٥) دارقطنی کے بیان سے تو بخاری بھی معیوب ٹھہرے، پس جس طرح اسحق بن محمد کے باب میں دارقطنی کا کلام غلط سمجھا جاتا ہے امام ابوحنیفہ کے باب میں بھی غلط سمجھنا چاہیے۔

رابعاً: دارقطنی نے سنن نسائی کو صحیح کہا ہے۔ (فتح المغیث ص ۲۴ وزہرابی ص ۳)

اور پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نسائی کے راوی ہیں، پس دارقطنی کے دونوں کلاموں میں تعارض ہے۔

(٦) بیہقی معرفۃ السنن والاثار میں لکھتے ہیں:

ولم يتابعهما عليه الا من هو اضعف منهما اس حدیث میں ان دونوں کی متابعت صرف اس شخص نے کی ہے جو ان دونوں سے زیادہ ضعیف ہے۔

اقول اولاً: یہ جرح مبہم ہے، خلاف قاعدہ اصول غیر مقبول كما مر.

ثانیاً: بیہقی کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کیوں ضعیف ہیں، اگر حدیث من كان له امام الخ (جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرات اس کے لیے کافی ہے) مرفوع روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف ہیں تو محض غلط ہے، کیونکہ اس حدیث کو فقط امام صاحبؒ نے مرفوعاً نہیں بیان کیا بلکہ دوسرے ثقات جیسے سفیان ثوری اور شریک نے بھی بسند صحیح مرفوعاً روایت کیا ہے كما سياتي تفصيله في موضعه.

اور اگر کوئی دوسری وجہ ہو تو امام بیہقی کے مقلد اس کو بیان کریں اور بیہقی کی کتاب میں اس کی تصریح دکھا دیں۔

ثالثاً: بیہقی متاخرین میں سے ہیں، شافعی المذہب اور شافعی کے دلائل کے جوگندہ ہیں، بستان المحدثین ص ۵۱ میں ہے۔

در تصانیف خود نصرت مذہب او نمودہ و بتائید و نصرت او رواج ایں مذہب دوبالا گشتہ و ہکذا فی الطبقات الشافعیہ ج ۳ ج ۴۔

علامہ بیہقی نے اپنی تصانیف میں مذہب شافعی کی تائید فرمائی ہے اور ان کی تائید و نصرت سے اس مذہب کا رواج دوبالا ہو گیا اور یہی طبقات الشافعیہ میں ہے۔

تاریخ ابن خلقان ج ۱ ص ۲۹ میں ہے کہ باوجود محدث ہونے کے حدیث کی بہت سی کتابیں مثلاً نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ ان کے پاس نہ تھیں اور ان کتابوں کی احادیث سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے، بستان المحدثین ص ۵۱ میں ہے:

وسنن نسائی و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ نزداونبود و براحادیث ایں سہ کتاب کماینبغی اطلاع ندارد۔

سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہیں تھیں اور ان تین کتابوں کی احادیث پر کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔

اور طبقات شافعیہ ج ۳ ص ۲ میں ہے:

ولم يقع الترمذی ولا النسائی ولا ابن ماجه الخ اوران کی حدیث اوران کا دائرہ حدیث وسیع نہ تھا۔

طبقات شافعیہ ص ۴ ج ۳ میں ہے:

وقال الذهبی دائرته فی الحديث ليست كثيرة ذہبی نے فرمایا کہ بیہقی کا دائرۂ حدیث وسیع نہیں تھا۔

بیہقی کے مسامحات جس کو دیکھنے ہوں وہ الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی دیکھے، پس بیہقی کی جرح اس اعتبار سے بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔

(۷) ابن جوزیؒ: امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرنے والے لوگ ابن جوزی کی کتاب المنتظم کی تین روایتیں تخریج ہدایہ کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں:

(الف) قال صاحب المنتظم عبد الله بن علی المدينی قال سالت عن ابی حنيفة فضعفه جداً وقال خمسين حديثاً اخطا فيه.

صاحب منتظم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن علی المدینی سے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے ان کی بہت تضعیف کی اور کہا کہ امام ابوحنیفہؒ نے بچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے۔

(ب) عن ابی حفص عمر بن علی قال ابو حنيفة ليس بحافظ مضطرب الحديث ذاهب الحديث.

ابوحفص عمر بن علی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ حافظ حدیث نہیں تھے اور ذاہب الحدیث یعنی ضعیف تھے۔

(ج) قال ابو بكر بن داؤد جميع ما روى ابو حنيفة الحديث مائة وخمسون اخطأ او قال غلط فی نصفها انتهى.

ابوبکر بن داؤد کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ سے صرف ۱۵۰ حدیثیں مروی ہیں اور نصف یعنی پچھتر حدیثوں میں غلطی کی ہے۔

اقـــــول اولاً: ابن جوزی تضعیفِ حدیث اور رواۃ کے بارے میں غایت درجہ متعنت اور متشدد ہیں، حتیٰ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کو بھی موضوعات میں داخل کر دیا ہے اور ان کے بعض راویوں کو بھی وضاع اور کذاب کہہ دیا ہے، اسی وجہ سے اکثر محدثین نے ان کی تنقید پر اعتماد نہیں کیا اور ان کی تنقید کو ''لا يعبا به'' قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ سیوطی تعقبات علی الموضوعات ص ۱ میں لکھتے ہیں:

قد نبه الحفاظ قديما وحديثا علی ان فيه (ای فی كتا ب الموضوعات) تساهلا كثيراً واحاديث ليست بموضوعة بل هی من راوی الضعيف وفيه احاديث حسان واخری صحاح بل فيه حديث من صحيح مسلم نبه عليه الحافظ ابن حجر ووجدت فيه حديثا من صحيح البخاری وقال ابن حجر تساهله وتساهل الحاكم فی المستدرك لعدم النفع بكتابيهما.

قدیم اور جدید محدثین نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ کتاب الموضوعات میں بہت تساہل اور کمزوری ہے اور اس میں وہ احادیث بھی ہیں جو موضوع نہیں ہیں بلکہ صرف ضعیف راویوں سے مروی ہیں اور بعض حدیثیں حسن اور بعض صحیح بھی ہیں بلکہ ایک حدیث مسلم کی بھی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بتلایا کہ میں نے ایک حدیث اس میں بخاری کی بھی دیکھی ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں ابن جوزی اور مستدرک میں حاکم کے تساہل نے

دونوں کتابوں کے نفع کو کالعدم کردیا اور سیوطی نشر العلمین المنیفین کے خاتمہ ص ۱۷ میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی کے تسامح کو بہت سے محدثین نے ذکر کیا ہے، ازاں جملہ ابن صلاح حافظ زین الدین العراقی، قاضی بدرالدین بن جماعہ، سراج الدین بلقینی، حافظ صلاح الدین العلائی زرکشی وقاضی ابوالفرج نہروانی وحافظ ابن حجرؒ وغیرہم ہیں۔

پس معترضین کو چاہیے کہ پہلے بخاری ومسلم اور سنن اربعہ کے راویوں کے وضاع وکذاب ہونے کا اقرار کریں، اس کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض پیش کریں۔

ثانیاً : کتاب المنتظم نہایت غیر معتبر کتاب ہے، اس میں صریح صریح غلطیاں اور بہت سے اوہام ہیں۔

کشف الظنون ج ۲ ص ۵۳۶ میں ہے:

منتظم فی تاریخ الامم لابی الفرج عبد الرحمن بن علی بن الجوزی البغدادی المتوفی ۵۸۷ هجري ذكر فيه من ابتداء العالم الى الحضرة النبوية قال المولیٰ علی بن الحنائی وفيه اوهام كثيرة واغلاط صريحة اشرت الى بعضها فى هامش على نسخته بخطه مختصرا.

ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی بغدادی کی کتاب المنتظم جس میں ابتدائے عالم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے حالات وواقعات بیان کئے گئے ہیں (اس کے متعلق) مولیٰ علی ابن الحنائی کہتے ہیں کہ اس میں بہت اوہام اور صریح غلطیاں ہیں، بعض کی طرف میں نے ہامش میں اشارہ کیا ہے۔

چونکہ کتاب منتظم دفتر اغلاط ہے، تاوقتیکہ روایت منقولہ کو معتبر سند سے معترض ثابت نہ کریں ہرگز جرح قابل اعتبار نہیں ہوسکتی، کیونکہ نہ مؤلف قابل وثوق ہیں اور نہ ان کی کتاب۔

اگر معترض کو دعویٰ ہو تو اصل کتاب سے کوئی ایک روایت مع سند نقل کر کے پھر اس سند کو صحیح ثابت کرے۔

ثالثاً : ان روایات میں فقط ابوحنیفہ کا لفظ ہے، ابن جوزیؒ چونکہ کثیر الاوہام ہیں کما قال المولی علی بن الحنائی اگرچہ انہوں نے ابوحنیفہ سے امام ابوحنیفہؒ کا ارادہ کیا ہے، مگر بغیر دلیل کے محض ان کی سمجھ حجت نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے کہ ان روایات میں دوسرے ابوحنیفہ مراد ہوں، کیونکہ ابوحنیفہ پانچ شخصیتوں کی کنیت ہے، دیکھو کتاب الاسماء والکنیٰ للدولابی ص ۱۵۹ بلکہ علامہ محی الدین فیروز آبادی نے قاموس میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ بیس فقہا کی کنیت ہے۔

قال فی ذکر لفظ الحنیف ابو حنیفة کنیة عشرین من الفقهاء اشهرهم امام الفقها النعمان.

لفظ حنیف کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہ بیس فقہاء کی کنیت ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان بن ثابت ہے۔

اور منتہی العرب میں ہے:

ابوحنیفہ کنیت بست فقیہ است اشہر آنہا نعمان بن ثابت کوفی است وہوالامام اعظم۔

ابوحنیفہ بیس فقہا کی کنیت ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان بن ثابت کوفی ہے اور وہ امام اعظم ہیں۔

ازاں جملہ ابوحنیفہ سماک بن فضل امام شافعی کے استاد ہیں جن کی روایت مسند امام شافعی ص ۱۴۳ میں موجود ہیں اور ابوحنیفہ عدوی

سلیمان بن حیان ہیں جن کی روایت اسماء وکنی دولابی ج اص ۱۶۰ میں موجود ہے، پس بغیر حجت کے محض ابن جوزی کے کہنے سے کیوں یقین کیا جائے کہ روایات مذکورہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کوفی مراد ہیں، کیونکہ کنیتوں کے اشتراک سے دھوکہ میں آجانا ممکن ہے، ملاحظہ ہو طبقات شافعیہ ج اص ۱۸۷۔

مذکور ہے ابن معین نے احمد بن صالح کو کہا کہ:

رأيت كذابا يخطب في جامع مصر   میں اس کو کذاب جانتا ہوں، وہ مصر کی جامع مسجد میں تقریر کرتا ہے۔

اس عبارت سے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے احمد بن صالح مصری مراد ہیں جو کہ بڑے ثقہ، حافظ اور رجال بخاری میں سے ہیں اور ان کو ضعیف سمجھ لیا، حالانکہ ابن معین نے دوسرے احمد بن صالح کو کہا تھا۔

اسی طبقات شافعیہ میں ہے:

قلت وقد ذكر ان الذى ذكرفيه ابن معين هذه المقالة هو احمد بن صالح الشمونى وهو شيخ بمكة يضع الحديث وانه لم يعن احمد بن صالح هذا وهكذا فى مقدمة فتح البارى ص ٤٤٧.

میں کہتا ہوں کہ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ابن معین نے اپنے رسالہ میں جس کا تذکرہ کیا ہے وہ احمد بن صالح شمونی ہے، یہ مکہ کا ایک بوڑھا تھا جو حدیثیں گھڑتا تھا اور انہوں نے احمد بن صالح مصری مراد نہیں لیے، یہی مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۷ میں بھی لکھا ہے۔

پس معترضین کو چاہیے کہ نقل شدہ روایت کی تصحیح کے بعد ابوحنیفہ کی تعیین دلیل سے بیان کریں، اس کے بعد ثبوت جرح کا دعویٰ کریں۔

رابعاً: ان روایات میں یہ مباحث بھی قابل ملاحظہ ہیں:

(الف) پہلی روایت ابن جوزی نے بواسطہ عبداللہ بن علی ابن المدینی نقل کی ہے۔ تاوقتیکہ عبداللہ کی توثیق وتعدیل نہ ہو جائے یہ روایت کیونکر معتبر ہوسکتی ہے، پہلے معترض کو چاہیے کہ عبداللہ کی توثیق ثابت کریں، اس کے بعد ثبوت جرح کا دعوی کریں، کیونکہ معتبر ناقلین سے ثابت ہے کہ علی ابن المدینی نے امام ابوحنیفہ کی توثیق کی ہے كما مر سابقاً.

اور حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں حافظ موصلی ازدی کی کتاب سے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق وتعدیل یحییٰ بن معین، شعبہ وشابہ وغیرہ سے نقل کر کے لکھا ہے:

وقال ابن المدينى ابو حنيفة روىٰ عنه الثورى وابن المبارك وحماد وهشيم ووكيع وعباد وجعفر بن عون وهو ثقة لا باس به.

(مختصر جامع بيان العلم وفضله ص ١٩٤)

ابن مدینی نے فرمایا کہ ابوحنیفہ سے ثوریؒ، ابن مبارکؒ، حمادؒ ہشیمؒ، وکیعؒ، عباد، جعفر بن عون نے روایت کی ہے اور وہ ثقہ ہیں، ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) دوسری روایت میں یہ کلام ہے کہ بر تقدیر ثبوت وہ جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے مقابلہ میں جرح مبہم غیر مقبول ہے۔

(ج) تیسری روایت میں یہ کلام ہے کہ ابوبکر بن ابی داؤد جو ابوحنیفہ کے جارح ہیں وہ خود مجروح ہیں اور کثیر الخطا ہیں بلکہ ان کے والد ابوداؤد سجستانی نے ان کو کذاب تک کہہ دیا ہے اور خود ابوبکر نے اپنی خطا اور وہم کا اعتراف کیا ہے۔

تذکرہ ج ۲ ص ۳۳۰ اور میزان ج ۲ ص ۳۹ میں ہے:

قال السلمیٰ سالت الدارقطنی عن ابن ابی داؤد فقال ثقة کثیر الخطا فی الکلام علی الحدیث.

سلمی کہتے ہیں کہ میں نے دارقطنی سے ابن ابی داؤد کے بارے میں سوال کیا، فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں لیکن حدیث پر کلام کرنے میں بہت غلطی کرتے ہیں۔

وفی التذکرة اخطأ فی ستة احادیث منها ثلثة حدیث بھا کما حدثت وثلثة اخطئت.

اور تذکرہ میں ہے میں نے چھ احادیث میں غلطی کی، ان میں سے تین میں نے ویسے ہی بیان کیں جس طرح بیان کی گئی اور تین میں غلطی کی۔

علی بن حسین بن جنید کہتے ہیں:

سمعت ابا داؤد یقول ابنی عبد اللّٰہ کذاب قال ابن الصاعد کفانا ما قال ابوہ فیہ.

میں نے ابوداؤد کو کہتے سنا کہ میرا بیٹا عبداللہ کذاب ہے، ابن صاعد نے کہا کہ جو کچھ اس کے بارے میں اس کے باپ نے کہا ہے وہی کافی ہے۔

اور میزان ج ۳ ص ۳۹ میں ہے:

ثم قال ابن عدی سمعت موسیٰ بن القاسم الاشیب یقول حدثنی ابوبکر سمعت ابراھیم الاصبحانی یقول ابوبکر بن داؤد واللّٰہ کان عندی منسلخا من العلم.

پھر ابن عدی نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ بن قاسم الاشیب سے سنا، فرماتے تھے کہ مجھ سے ابوبکر نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم اصبحانی کو فرماتے سنا کہ اللہ کی قسم ابوبکر بن داؤد میرے نزدیک علم سے کورا ہے۔

اور تذکرہ ج ۲ ص ۳۳۳ میں ہے:

وقد تکلم فیہ ابوہ وابراھیم **اس پر اس کے والد اور ابراہیم نے کلام کیا ہے۔**

علاوہ بریں ابوبکر بن ابی داؤد کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہؒ نے ڈیڑھ سو حدیثیں روایت کی ہیں صریح البطلان اور محض غلط ہے، اس لیے کہ کتب متداولہ جیسے مسند امام اعظم وعقود الجواہر المنفیہ وموطا امام محمد وآثار امام محمد وغیرہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایات کئی ہزار ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر بن ابی داؤد امام ابوحنیفہؒ کے تبحر فی الحدیث سے ناواقف تھے، پس ایسے ناواقف کی جرح ایسے ثقہ حافظ حدیث کے حق میں کہ جس کی تعدیل ابن معین، شعبہ اور ابن مدینی وغیرہم کر چکے ہوں کیا مؤثر ہوسکتی ہے۔

خامساً: **علی سبیل التنزل بالفرض چند روایتوں میں امام صاحب سے خطا ہوگئی ہو تو اس وجہ سے وہ غیر ثقہ اور سیئ الحافظہ نہیں ہوسکتے، کیونکہ امام صاحب دوسرے محدثین اور حفاظ حدیث کی طرح حافظ حدیث تھے، ان کے سینے میں لاکھوں احادیث موجود تھیں، چند روایتوں اور راویوں میں مسامحت ہوجانے سے ان پر غیر ثقہ ہونے کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔**

غور فرمائیے محمد بن یوسف فریابی جن کو ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری ص ۵۱۹ میں لکھا ہے:

من کبار شیوخ البخاری ووثقہ الجمھور.

بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں اور جمہور نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔

ان کے متعلق اسی مقدمہ فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے:

قال العجلی ثقة وقد اخطأ فی مائة وخمسين حديثا وذكر له ابن معين حديثا اخطأ فيه فقال هذا باطل.

عجلی نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور انہوں نے ایک سو پچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے، ابن معین کے سامنے وہ حدیث بیان کی گئی جس میں انہوں نے غلطی کی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ باطل ہے۔

اب ذرا بنظر انصاف غور کیا جائے کہ امام صاحب کی طرف تو پچاس یا پچھتر احادیث کی خطا کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور وہ بھی ثابت نہیں اور امام بخاری کے شیخ کی نسبت ڈیڑھ سو روایتوں میں غلطی کرنا حافظ ابن حجرؒ کی معتبر کتاب سے ثابت ہوتا ہے، باوجود اس کے جمہور نے نہ اس کو غیر ثقہ کہا اور نہ بخاری نے ان کو غیر ثقہ سمجھا اور نہ ان کی حدیث چھوڑی اور نہ ان کے حق میں سکتوا عن حدیثه لکھا اور نہ محدثین نے بخاری کے اصح الکتب ہونے سے انکار کیا، پس کیا وجہ ہے کہ بخاری کے استاد ڈیڑھ سو غلطیاں کرنے سے غیر ثقہ اور سیئی الحافظہ نہ کہے جائیں اور امام ابو حنیفہ خواہ مخواہ غیر ثقہ اور سیئی الحافظہ بتائیں جائیں، کیا انصاف و دیانت اسی کا نام ہے، یہ محض ضد وحسد نہیں تو اور کیا ہے۔

نعم ما قال ابن المبارك فلعنه ربنا اعداد رمل على من رد قول ابى حنيفة.

ابن مبارک نے کیا عمدہ فرمایا ہمارے پروردگار کی بے شمار لعنتیں ہوں اس شخص پر جو امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے۔

سادساً: ابن جوزی کے خیالات کو خود ان کے خاندان کے دانشمند انصاف پسند شخص نے رد کیا ہے، تنویر الصحیفہ میں ہے:

اما ابن الجو زى فقد تابع الخطيب وقد عجب سبطه منه حيث قال فى مرأة الزمان وليس العجب من الخطيب فانه طعن فى جماعة من العلماء وانما العجب من الجد كيف سلك اسلوبه وجاء بما هو اعظم.

رہے ابن جوزی تو انہوں نے خطیب کی پیروی کی ہے اور ان کے نواسہ نے اس پر بہت تعجب کیا ہے، چنانچہ مرأۃ الزمان میں فرماتے ہیں خطیب پر تعجب نہیں ہے، وہ جماعت علماء میں مطعون ہیں، تعجب تو نانا جان پر ہے کہ انہوں نے خطیب کا راستہ کیوں اختیار کیا اور ان سے بھی بڑھ گئے۔

قال فى الميزان ص ١٠ فى ترجمة ابان بن زيد وقد اورده ايضاً العلامة ابو الفرج بن الجوزى فى الضعفاء ولم يذكر فيه اقوال من وثقه وهذا من عيوب كتابه يسرد الجرح ويسكت عن التوثيق.

میزان ص ۱۰ میں فرماتے ہیں اور ایسے ہی ابان بن یزید کے ترجمہ میں بھی آیا ہے کہ علامہ ابوالفرج جوزی نے ابان بن زید کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے اور ان کی توثیق کرنے والوں کا بالکل تذکرہ نہیں کیا، یہ ان کی کتاب کا بہت بڑا عیب ہے کہ جرح کو بہت اچھی طرح بیان کرتے ہیں اور توثیق کا بالکل تذکرہ نہیں کرتے۔

تنبیہ: جارحین کے فہرست میں علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی داؤد اور ابوحفص عمر بن علی کا نام لکھا گیا ہے، ہم نے ابن جوزی کے جواب میں ایسی تقریر لکھ دی ہے کہ ان حضرات کی جرح کا جواب بھی معلوم ہو گیا، لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

نوٹ: ابن جوزی کی کتاب المنتظم ہندوستان میں نایاب ہے، پٹنہ وغیرہ کے مشہور کتب خانوں میں بھی یہ کتاب موجود نہیں اور نہ کسی دوسری کتاب میں یہ روایتیں پائی جاتی ہیں، البتہ درایہ تخریج ہدایہ کے حاشیہ پر سے بحوالہ منتظم یہ روایتیں نقل کی جاتی ہیں، بہر حال اصل کتاب

اوران روایتوں کی سند کا کچھ پتا نہیں، لہٰذا ان روایات سے استدلال کرنا غلط اور محض غلط ہوگا۔

تفتیش اور جستجو سے معلوم ہوا کہ کتاب المنتظم جامع از ہر قاہرہ اور مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں موجود ہے۔

محمد اسمٰعیل سنبھلی غفرلہ

۲۱/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

(۸) خطیب بغدادی: خطیب صاحب کی کوئی خاص عبارت ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ امام صاحب کے متعلق خود ان کا خیال کیا ہے، وہ تو بحیثیت ایک مؤرخ کے مختلف روایات واقوال کو اپنی کتاب میں جمع کر دیتے ہیں، علاوہ ازیں جو روایتیں تاریخ خطیب سے نقل کی جاتی ہیں ان کی صحت ثابت نہیں۔ ابن جزلہ حکیم بغدادی نے مختصر تاریخ خطیب میں امام ابوحنیفہ کی خوب مدح وثنا کی ہے اور خطیب بغدادی کو نہایت درجہ کا متعصب اور نا انصاف بتلایا ہے، خطیب بغدادی نے فقط امام ابوحنیفہؒ کی ردوقدح پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی شان میں بھی راطب ویابس روایات نقل کی ہیں، پس جس طرح سے حضرت امام احمد وغیرہ حضرات کے بارے میں خطیب کا قول غیر معتبر اور مدفوع تصور کیا جاتا ہے اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں نامعتبر اور غلط خیال کرنا چاہیے۔

نوٹ: تاریخ خطیب مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

محمد اسمٰعیل سنبھلی غفرلہ

ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

(۹) حافظ ابن عبدالبر: معترضین کی طرف سے تمہید شرح مؤطا ج۲ص۲۷۲ سے یہ عبارت نقل کی جاتی ہے:

لم يسنده غير ابى حنيفة وهو سيئى الحفظ عند اهل الحديث.

اقول اولاً: حافظ ابن عبدالبر نے نہایت صراحت کے ساتھ اپنی کتاب العلم میں امام ابوحنفیہؒ کی توثیق وتعدیل ائمہ فن رجال جیسے یحییٰ ابن معین شعبہ، حافظ موصلی ازدی اور علی ابن المدینی وغیرہم سے نقل کی ہے اور جارحین کو مفرط اور متجاوز الحد قرار دیا ہے۔

کتاب العلم ص۱۹۲ میں ہے:

قال ابو عمر افرط اصحاب الحديث فى ذم ابى حنيفة وتجاوزوا الحد فى ذالك.

ابوعمر نے فرمایا کہ اہل حدیث نے امام ابوحنیفہ کی برائی میں بہت مبالغہ سے کام لیا اور حد سے تجاوز کر گئے۔

وایضاً ص۱۹۴

الذين رووا عن ابى حنيفة ووثقوه واثنوا عليه اكثر من الذين تكلموا فيه.

جنہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی اوران کی توثیق وتعریف کی ان کی تعداد کلام کرنے والوں سے زیادہ ہے۔

ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان ص۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

قال الحافظ ابو عمر يوسف بن عبدالله بعد كلام ذكره واهل الفقه لا يلتفتون من طعن عليه ولا يصدقون بشئ من السوء ينسب اليه.

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں فقہاء امام صاحب پر طعن کرنے والوں کی طرف بالکل التفات نہیں

کرتے اوران کی جانب منسوب کی جانے والی کسی برائی کی تصدیق نہیں کرتے۔

جبکہ خودابن عبدالبر کی تصریح سے امام صاحب کی توثیق ثابت ہےتو اب سمجھنا چاہیے کہ هو سيئى الحفظ عند اهل الحديث ''اہل حدیث کے نزدیک ان کا حافظہ خراب تھا'' سے کیا مراد ہے، کیا کل اہل حدیث مراد ہیں یا بعض، کل تو مرادنہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ خودلکھ چکے ہیں: والذين وثقوه واثنوا عليه اكثر من الذين تكلموا فيه. ''امام صاحب کی توثیق وتعریف کرنے والے کلام کرنے والے سے زیادہ ہیں۔''

پس لامحالہ بعض مراد ہیں، پھروہ بعض بھی بہت تھوڑے سے ہیں، حافظ ابن عبدالبر کے کلام سے نتیجہ صاف یہ نکلا:

هو سيئى الحفظ عند اقل اهل الحديث الذين هم مفرطون ومتجاوزون عن الحد فى ذمه وغير مصدقين عند اهل الفقه فى نسبة السوء اليه.

کہ امام صاحب بعض ان اہل حدیث کے نزدیک سئی الحفظ تھے جوامام صاحب کی برائی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور جوفقہاء کے نزدیک امام صاحب کی طرف برائی کی نسبت کرنے میں بالکل جھوٹے ہیں۔

اب مقام غور ہے کہ کیا اس جرح سے امام ابوحنیفہ ؒ سیئی الحفظ ہو سکتے ہیں، حاشا کلا ہرگزنہیں بلکہ حسب تحریر حافظ ابن عبدالبر خود جارح، مفرط اور متجاوزعن الحد کہے جائیں گے۔

ثانیاً: بخاری کے ثقہ راوی ایوب بن سلیمان کو حافظ ابن عبدالبر نے ضعیف لکھا ہے، مگر محدثین نے اسے افراط قرار دیا ہے (مقدمہ فتح الباری ص۴۵۴) اور صحاح کے راوی زہیر بن محمد کو بھی ابن عبدالبر نے ضعیف بتلایا ہے، مگر محدثین نے افراط پر محمول کیا ہے۔ (مقدمہ فتح الباری ص۴۶۸)

غور کیا جائے بخاری کے راویوں پر ابن عبدالبر کی جرح افراط پر محمول کی جاتی ہےتو امام ابوحنیفہ کے حق میں کیوں نہ محمول ہوگی۔

ثالثاً: تمہید شرح مؤطا حافظ ابن عبدالبر کی اوائل تالیف میں سے ہےاور کتاب جامع بیان العلم بعد کی تصنیف ہے، چنانچہ مختصر جامع بیان العلم ص۲۰۴ میں ہے:

واوضحنا فى كتاب التمهيد اورہم کتاب التمہید میں وضاحت کر چکے ہیں۔

پس پہلی تحریر پچھلی تحریر (جس میں امام صاحب کی توثیق کی گئی ہے) کے معارض نہیں ہوسکتی۔

(۱۰) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام صاحب کی توثیق کی ہے اور تقریب التہذیب وتہذیب التہذیب میں کوئی کلمہ تضعیف کا نہیں لکھا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں کتابیں خاص فن رجال کی ہیں جس کا موضوع بجز تنقید رجال کے اور کچھ نہیں ہے، پس ابن حجر کی طرف تضعیف کا انتساب قابل بحث ہے، باقی درایہ تخریج ہدایہ میں جو حافظ ابن حجر نے بیہقی اور دارقطنی کی تضعیف نقل کی ہے اگر مان لیا جائے کہ وہ حکایت نہیں ہے تب بھی اس میں شک نہیں کہ جرح مبہم ہے اور اصول میں مذکور ہے کہ تعدیل وجرح جب دونوں مبہم ہوں تو تعدیل مقدم ہوگی۔ خود حافظ ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں اسی اصول کو لیا ہے، پس اصول کے مطابق یہی کہنا ہوگا کہ ابن حجر کی تعدیل ان کی جرح پر مقدم ہو گی اور یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا کہ ابن حجر نے ابوحنیفہ کو ضعیف اور سیئی الحافظہ کہا ہے جیسا کہ معترضین کا خیال فاسد ہے، دیکھو حافظ ابن حجر نے خود لسان المیزان کے دیباچہ میں لکھا ہے:

فوجه قولهم ان الجرح لا يقبل الا مفسرا هو فيمن اختلف فى توثيقه وتجريحه.

پس ان کے قول (جرح جب تک مفسر نہ ہو قابل قبول نہیں) کی توجیہ یہ ہے کہ یہ ان حضرات کے بارے میں ہے جن کی توثیق وتجریح میں اختلاف ہو۔

(۱۱) امام احمد بن حنبلؒ: کوئی عربی عبارت کسی بھی معتبر کتاب سے حضرت امام احمد کی پیش نہیں کی جاسکتی ہے، لہٰذا حضرت امام احمد بن حنبل کی جانب تضعیف اور سیئی الحفظ کی نسبت کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے اور بحوالہ مختصر تاریخ خطیب جو عبارت نقل کی جاتی ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے روایت نہیں لینی چاہیے۔

اقول اولاً: برتقدیر ثبوت عبارت یہ جرح مبہم ہے۔

ثانیاً: حسبِ تصریح ابن حجر مکی شافعی خطیب بغدادی نے جو قدح میں امام ابوحنیفہ کی روایتیں نقل کی ہیں وہ غیر معتبر اور ضعیف الاسناد ہیں (خیرات الحسان ص ۷۶) پس معترضین کو چاہیے کہ اس روایت کی سند نقل کر کے اس کی صحت ثابت کریں۔

ثالثاً: حسبِ قاعدہ معترضین جبکہ امام احمدؒ خود مجروح ہیں تو ان کی جرح امام صاحب کے حق میں مضر نہیں ہوسکتی، تنویر الصحفیہ میں خطیب بغدادی نے امام احمد پر جرح کی روایات کو نقل کیا ہے۔

(۱۲) قاضی ابویحییٰ زکریا: الفیہ عراقی کے حاشیہ ص ۴۵ سے نہ کہ اصل کتاب سے فتح الباقی کی یہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ (فتح الباقی مدینہ منورہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے)

فیکون قادحا کما فسر الذهبی و ابن عبد البر و ابن عدی و نسائی و الدارقطنی فی ابی حنیفة انه ضعیف من قبل حفظه.

بس وہ قادح ہوگا امام ابوحنیفہ کے بارے میں کہ ان کا حافظہ کمزور تھا جیسا کہ ذہبی، ابن عبدالبر، ابن عدی، نسائی اور دارقطنی نے تفسیر فرمائی۔

اقول اولاً: قاضی ابویحییٰ زکریا متأخرین سے ہیں، انہوں نے ۸۹۲ھ میں فتح الباقی تصنیف کی ہے، بعض حضرات نے ان کو ابن ہمام اور ابن حجر کے تلامذہ میں شمار کیا ہے، ان کی وفات ۹۴۸ھ میں ہوئی ہے، یہ خود کوئی امام فن نہیں بلکہ متقدمین سے ناقل ہیں۔ اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ انہوں نے جو فتح الباقی میں یہ تحریر فرمایا ہے فیکون قادحا الخ نفس الامر کے مطابق ہے یا نہیں؟ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ اجتہادی قول ان کا مسامحۃ سے خالی نہیں کیونکہ امام ذہبی سے امام صاحب کی توثیق بخوبی ثابت ہے چہ جائیکہ جرح مفسر اور ابن عدی اور دارقطنی سے بھی جرح مفسر منقول نہیں، باقی رہے نسائی سو وہ متعنت اور متشدد ہیں کما بیناہ مدللا جیسا کہ مدلل بیان کر چکے، پس ان کی جرح کس طرح قادح ہوگی اور حافظ ابن عبدالبر خود امام صاحب کے معدل اور موثق ہیں اور تمہید میں جو لکھا ہے سیئی الحفظ عند اهل الحدیث ہم نے انہی کے کلام سے ثابت کر دیا کہ اہل حدیث سے بعض اہل حدیث مفرط اور متجاوز عن الحد مراد ہیں، پس یہ جرح بھی قادح نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ فتح الباقی نے کمال تحقیق سے کام نہیں لیا اور بغیر تعمق نظر کے امام ابوحنیفہ کو مجروح لکھ دیا۔

ثانیاً: اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ مان لیں کہ حسبِ قول صاحب فتح الباقی ان لوگوں سے جرح مفسر ثابت ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کی عدالت، وثاقت، امانت اور جلالت شان ائمہ سلف صالحین اور ائمہ فن سے ثابت ہو اس کے حق میں جرح مفسر بھی قادح نہیں ہوتی، دیکھو سبکی کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ کے حق میں اگر ہزاروں طریقے سے جرح مفسر بیان کی جائے ہم ہرگز نہیں مانیں گے، فرماتے ہیں:

ولا يـقبل قوله (ابن معين) فى الشافعى ولو فسرونى بالف ايضاح لقيام القاطع انه غير محقق بالنسبة اليه.(الطبقات الشافعيه ص١٩٧)

اورابن معین کا قول امام شافعیؒ کے بارے میں قابل قبول نہیں چاہے ہزاروں طریقہ سے مفسر ہو،اس لیے کہ عدم ثبوت پر دلیل قاطع قائم ہوچکی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ صاحبِ فتح الباقی کا قول خلاف تحقیق اور غیر ثابت ہے۔

(۱۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب مصفی شرح مؤطا سے ایک مضمون نقل کر کے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مولانا دہلوی نے امام ابوحنیفہؒ کوضعیف اور سیئی الحافظہ قرار دیا ہے۔

اقـــول اولاً:حضرت شاہ صاحب کی طرف تضعیف کا انتساب محض غلط اور فریب ہے،ملا حظہ فرمائیے مصفی شرح مؤطا کی عبارت یہ ہے:

بالجملہ این جبار اماماں کہ عالم راعلم ایشاں احاطہ کردہ است امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد این دوامام متاخر شاگرد امام ابو حنیفہ وامام مالک بودند ومستمند ان ازعلم او وعصر تبع تابعین بنودند مگر ابوحنیفہ وامام مالک آں یک شخصے کہ رؤس محدثین مثل احمد وبخاری ومسلم و ترمذی وابوداؤدونسائی وابن ماجہ ودارمی یک حدیث از وے در کتابہائے خود روایت نہ کردہ اند ورسم روایت حدیث ازوے بطریق ثقات جاری نہ شد وآں دیگر شخصے ست کہ اہل نقل اتفاق دارند ہرآنکہ چوں حدیث روایت او ثابت شد بدروۂ اعلی صحت رسید۔

حاصل کلام یہ عظیم المرتبت امام کہ ان کے علم نے تمام عالم کا احاطہ کرلیا ہے امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی اور امام احمد،یہ بعد کے دوامام امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد اوران کے علوم سے فیضیاب ہونے والے ہیں اور تبع تابعین کے دور کے صرف امام ابوحنیفہ اور امام مالک ہیں،وہ امام کہ جن سے رؤس المحد ثین مثلاً احمد، بخاری، مسلم،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی کتابوں میں ایک روایت بھی نقل نہیں کی ہے اور ثقات کی طرح روایت حدیث کا طریقہ ان سے جاری نہ ہوا اور دوسرے امام وہ ہیں کہ جن پر اہل نقل کا اتفاق ہے کہ جو حدیث ان سے ثابت ہے وہ صحت کے بلند ترین مقام تک پہنچ گئی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی عبارت میں دو مضمون قابل غور اور لائق توجہ ہیں،ایک یہ کہ امام ابوحنیفہ سے رؤس محدثین نے ایک حدیث بھی نقل نہیں کی دوسرے یہ کہ معتبر روایوں سے ان کی روایت جاری نہیں ہوئی۔

اول مضمون اگر صحیح بھی ہو"وعـنـدی فیـه نظر كما ستعرفه"میرے نزدیک یہ قابل غور ہیں جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا تو اس سے امام ابوحنیفہ کی تضعیف ہرگز لازم نہیں آتی ، ہزاروں ثقہ راوی ہیں کہ بعض نے ان سے روایت کی ہے اور بعض نے نہیں کی ہے، کسی کی ترک روایت سے تضعیف کا اثبات محض ایک غلط خیال ہے،اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی اور اگر دوسرا مضمون صحیح مان لیا جائے تو اس سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایت معتبر واسطہ سے جاری نہیں ہوئی نہ یہ کہ خود وہ ضعیف تھے، دیکھئے صدہا سنن ومسانید ومعاجم ہیں جن کے مؤلف خود ثقہ ہیں مگر مثل مؤطا کے ان کی حدیثیں معتبر واسطہ سے مروی نہیں تو کیا اس وجہ سے وہ ضعیف کہے جائیں گے، ہرگز نہیں۔

مسند امام شافعی،مسند امام احمد،مسند ابویعلی،سنن ابن ماجہ،سنن نسائی،سنن دارمی،معجم طبرانی،صغیر وکبیر وغیرہا کو دیکھو طبقہ ثانیہ وثالثہ کی کتابیں ہیں،ان میں ضعاف روایتیں بھری ہیں مگر باوجود اس کے ان کے موثقین غیر ثقہ نہیں سمجھے جاتے۔درحقیقت شاہ صاحب کی عبارت سے

غلط مضمون اخذ کیا گیا ہے ورنہ مولانا دہلوی کی عبارت سے ہر گز امام ابوحنیفہ کی تضعیف ثابت نہیں ہوتی۔

ثانیاً: تقریب وتہذیب التہذیب اور خلاصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نسائی وترمذی کے راوی ہیں جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، پس یہ دعویٰ کہ اصحاب صحاح ستہ نے ان سے روایت نہیں کی ہے سرے سے غلط ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ مصفی کی ترتیب وتہذیب حضرت شاہ صاحب نے خود نہیں کی تھی بلکہ مسودات غیر مرتب چھوڑ کر مولانا نے رحلت فرمائی، وفات کے پانچ چھ ماہ بعد آپ کے تلمیذ خاص مولانا محمد عاشق صاحب نے اس کو مرتب کیا ہے جیسا کہ اس امر کو خود مولوی صاحب موصوف نے کتاب کے اخیر میں لکھ دیا ہے، لہٰذا یہ مضمون کہ اصحاب صحاح ستہ نے امام صاحب سے روایت نہیں کی اگر چہ مصفی میں موجود ہے چونکہ معنیً غلط ہے ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ مولانا دہلوی کے قلم سے نہ نکلا ہوگا، شاید مرتب کتاب سے غلطی ہوگئی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثالثاً: مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی کتاب فیوض الحرمین ص ۴۸ میں تحریر فرماتے ہیں:

عرفنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ان فی المذھب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت و نقحت فی زمان البخاری و اصحابہ.

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ سے بہت موافق ہے جس کو امام بخاری وغیرہ کے زمانہ میں وضاحت کے ساتھ جمع کیا گیا۔

مقام غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا ممدوح کو یوں تلقین فرمائی کہ مذہب حنفیہ میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ کے ساتھ موافق تر ہے، باوجود اس کے مولانا ممدوح امام صاحب کو متروک الحدیث کیوں فرمائیں گے، کھینچ تان کر جس قدر جرحیں امام ہمام ابو حنیفہ پر نقل کی جاتی ہیں اس کا تفصیلی جواب ہم لکھ چکے ہیں، باقی ان کے علاوہ مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، وکیع بن الجراح، عمرو الناقد، ابن القطان، ابواسحاق الفزاری، طاؤس زہری، ہشام بن عروہ، جلال الدین سیوطی اور عبدالرؤف منادی کے نام فہرست میں لکھ دیئے جاتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے سیئی الحافظہ اور ضعیف کہنے والوں کی تعداد بڑھائی جاتی ہے یہ بجز اظہار حسد اور مغالطہ دہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

اب ہم معترضین کے چند مشہور اقوال نقل کر کے ان کا رد کرتے ہیں تا کہ معترضین کی غباوت تعصب اور حسد امام صاحب کے ساتھ ظاہر ہو جائے، کہا جاتا ہے کہ ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵ میں ہے:

قال ابو علی سمعت ابا داؤد یقول لیس بحدیث اھل الکوفۃ نور.

ابوعلی نے فرمایا کہ میں نے ابوداؤد سے سنا، وہ فرماتے تھے اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے۔

اقول اولاً: اس عبارت سے نہ امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی کوفی کی، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام احمدؒ ایک خاص حدیث من ادعی الی غیر ابیہ جو بواسطہ ابوعثمان مروی ہے اس میں سماع کی تصریح ہے، کیونکہ یہ حدیث بلفظ حدثنی مروی ہے اور کوفہ کے لوگوں نے اس حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی ہے، امام احمدؒ اسی کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ان لوگوں کی یعنی کوفیوں کی یہ حدیث من حیث السماع روشن اور واضح نہیں ہے بھلا اس عبارت کو جرح سے کیا تعلق ہے۔

ثانیاً: اگر اس خیال کو صحیح فرض کر لیا جائے تو پھر اس عبارت سے تمام اہل کوفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ بخاری، مسلم، مسند احمد، سنن اربعہ، دار قطنی، مسند شافعی اور موطا امام مالک میں کئی ہزاروں کوفی ہیں جیسا کہ اسماء الرجال سے ثابت ہے، پس تمام کتابیں

حدیث کی حسب خیال معترضین ردی اور ضعیف ٹھہریں گے۔

ثـالثـاً :اگر معترضین کے نزدیک اہل کوفہ سب کے سب ضعیف ہیں تو امام احمد نے اہل کوفہ کی بعض اسانید کو اصح الاسانید کیوں فرمادیا، ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۳۳:

قـال عبـد الـلّٰه بن احمد عن ابيه ليس بالكوفة اصح من هذا الاسنا د يحيىٰ بن سعيد القطان عن سفيا ن الثورى عن سليمان التيمى عن الحارث ابن سويد عن علىؓ

عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کا قول نقل فرمایا کہ اسناد اہل کوفہ میں یہ سند سب سے زیادہ صحیح ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے روایت کیا سفیان ثوری سے، انہوں نے سلیمان تیمی سے، انہوں نے حارث بن سوید سے، انہوں نے حضرت علیؓ سے۔

رابـعـاً : حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے امام ابوحنیفہؒ اور اویس قرنی کی تعریف ثابت ہے، حالانکہ یہ لوگ کوفی تھے، چنانچہ حافظ سیوطی تبئیض الصحیفہ میں تحریر فرماتے ہیں:

قـد بشر صلى اللّٰه عليه و سلم بالامام ابى حنيفة فى الحديث الذى اخرجه ابو نعيم فى الحلية عن ابى هريرة قال قال رسـول الـلّٰـه صـلى اللّٰه عليه و سلم لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس فهذا اصل صحيح يعتمد عليه فى البشارة و الفضيلة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابوحنیفہؒ کے لیے اس حدیث میں بشارت سنائی ہے جس کو ابونعیم نے حلیہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو اس کو فارس کے بعض لوگ حاصل کرلیں گے۔ یہ بشارت وفضیلت کے سلسلہ میں بہت صحیح اصل ہے اور قابل اعتماد ہے۔

اور سیوطی کے شاگرد محمد یوسف دمشقی شافعی نے لکھا ہے:

و مـا جـزم بـه شيـخنا من ان ابا حنيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس مبلغه احد.

ہمارے شیخ نے جو اس حدیث سے امام ابوحنیفہ کو مراد لیا ہے وہ بلاشبہ بالکل صحیح وظاہر ہے، اس لیے کہ ابناء فارس میں امام ابوحنیفہؒ کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچا۔

اور حافظ ابن حجر شافعی خیرات الحسان ص ۱۶ میں لکھتے ہیں:

و مـمـا يصح الاستدلال به على عظم شان ابى حنيفة رحمة اللّٰه عليه ماروى انه عليه الصلوة و السلام قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين و مائة.

وہ جس سے امام ابوحنیفہؒ کی عظمتِ شان پر استدلال کیا جاسکتا ہے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی زینت ایک سو پچاس سال تک بلند ہوتی رہے گی۔

اب حضرت اویس قرنی کی مدح میں روایت ملاحظہ ہو، الفیہ میں ہے:

و القرنى اولياء اهل الكوفة — حضرت اویس قرنی کوفہ کے ولی تھے۔

سخاوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وصوب المصنف القائلين باويس بحديث عمرؓ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان خير التابعين رجل يقال له اويس.

حدیث عمرؓ کی وجہ سے قائلین اویس قرنی کی مصنفؒ نے تصدیق کی ہے، میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تابعین میں بہترین شخص وہ ہیں جن کا نام اویس ہے۔

اور خود امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔

اب بنظر انصاف دیکھا جائے کہ خود امام احمد اپنی مسند میں حدیثِ نبوی سے بعض اہل کوفہ کی مدح وتعریف ثابت کر رہے ہیں تو پھر وہ تمام اہل کوفہ کو ضعیف اور غیر ثقہ کیونکر کہیں گے، ایسے اعتراضات سے شرم کرنی چاہیے، کسی نے خوب کہا ہے:

کہا جاتا ہے کہ تدریب الراوی ص ۳۲ میں ہے:

قال مالك اذا خرج الحديث من الحجاز انقطع نخاعه.

امام مالک نے فرمایا کہ حدیث جب حجاز سے نکل جاتی ہے تو اس کا مغز منقطع ہو جاتا ہے

اور امام شافعی کا قول ہے:

اذالم يوجد للحديث من الحجاز اصل ذهب نخاعه.

جب کسی حدیث کا ثبوت حجاز سے نہ ملے تو اس کا مغز جاتا رہتا ہے۔

اور طاؤس نے کہا:

اذ حدثك العراقى مائة حديث فاطرح تسعة وتسعين وكن من الباقى فى شك.

اگر تجھ سے کوئی عراقی سو حدیثیں بیان کرے تو اس میں سے ننانوے حدیثوں کو پھینک دے اور ایک میں مشکوک رہ۔

اور زہری نے کہا ہے:

ان فى حديث اهل الكوفة زغلا كثيرا.

اہل کوفہ کی حدیث میں بہت دھوکا ہے۔

اور خطیب نے کہا ہے:

ان روايتهم كثيرة الزغل قليلة السلامة من العلل.

اہل کوفہ کی روایتیں دھوکے سے بھری ہوتی ہیں اور کمزوری سے بہت کم محفوظ ہوتی ہے۔

اقول اولاً: ان اقوال سے نہ ابوحنیفہؒ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی عراقی نہ کوفی کی اور نہ بقاعدہ اصول یہ جرح کے اقوال ہیں، خاص خاص مواقع پر خاص وجوہ کی بنا پر ان حضرات نے یہ باتیں لکھی ہیں۔

ثانیاً: اگر حسبِ خیال معترض یہ جرح کے کلمات ہیں تو دنیا سے حدیث کا نام مٹ جائے گا، کیونکہ حسبِ قول امام مالکؒ وامام شافعیؒ ہر

حدیث کی اصل مکہ مدینہ سے ملنی چاہیے اور حسب قول زہری عراقی یعنی بصری وکوفی اور بغدادی وغیرہم کی روایت فی صدی ایک ہی قابل اعتبار ہوگی اور حسب قول ہشام بن عروہ عراقی کی فی ہزار نوسو نوے احادیث متروک اور دس احادیث محتمل الصحۃ ہوں گی کما فی تدریب الراوی۔

وقال هشام بن عروه اذا حدثك العراقى بالف حديث فالق تسع مائة وتسعين وكن من الباقى فى شك.

ہشام بن عروہ نے کہا کہ اگر تجھ سے کوئی عراقی ایک ہزار حدیثیں بیان کرے تو ان میں نوسو نوے کو ترک کردے اور اس دس میں مشکوک رہ۔

اب معترض اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر احادیث کی جانچ کریں، جتنی کتابیں احادیث کی موجود ہیں مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند امام اعظم، مسند امام شافعی، مسند ابوداؤد، طیالسی، معجم طبرانی، صغیر، دارقطنی، مؤطا امام مالک اور سنن دارمی وغیرہا میں سے خاص حجاز کی روایات انتخاب کریں اور سب روایات چھوڑ دیں، پھر حجاز کی روایتوں میں اگر کوئی راوی بصری، کوفی، بغدادی ہو تو اس کو چھوڑ دیں، پھر ان احادیث میں اگر کوئی ایسا روای ہو کہ اس پر کسی قسم کی جرح کسی سے منقول ہو تو اس کو بھی چھوڑ دیں، اس کے بعد دیکھیں کہ ان کے ہاتھ میں کتنی حدیثیں صحیح باقی رہتی ہیں۔

ہمارے خیال میں نماز روزہ کی احادیث بھی ان کے پاس باقی نہ رہیں گی تو پھر اہل حدیث کا لقب بھی کذب صریح اور غلط ہوگا، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عراق میں ہزاروں صحابہ موجود تھے۔

كما قال ابن الهمام لان الصحابة انتشرت فى البلاد خصوصا العراق.

ابن ہمام نے فرمایا کہ صحابہ مختلف شہروں میں منتشر ہو گئے تھے خصوصاً عراق میں۔

قال العجلى فى تاريخه نزل الكوفة الف وخمسين مائة من الصحابة.

عجلی نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ قیام پذیر ہو گئے تھے۔

انصاف کرنا چاہیے کہ جس جگہ ڈیڑھ ہزار صحابہ موجود ہوں اور شب وروز قال اللہ وقال الرسول کا ذکر ہو وہاں کے لوگ حدیث سے ناواقف کیونکر ہو سکتے ہیں اور ان کی روایت محض عراقی وکوفی ہونے کی وجہ سے کیوں متروک ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ قیام اللیل ص ۱۲۳ میں ہے:

قال ابن المبارك كان ابو حنيفة يتيمافى الحديث. امام ابوحنیفہؒ حدیث میں یتیم تھے۔

اقول اولاً: یہ کوئی کلمہ جرح کا نہیں ہے اور نہ امام صاحبؒ کی اس سے تضعیف ثابت ہوتی ہے، کیونکہ یتیم کے معنی محاورہ میں یکتا اور بے نظیر کے بھی آتے ہیں، صحاح ج ۲ ص ۳۴۹ میں ہے:

وكل شيئ مفرد بغير نظيره فهو يتيم فقال درة يتيمة قال الاصمعى اليتيم الرملة المنفردة قال وكل منفرد ومنفردة عند العرب يتيم ويتيمة.

ہر وہ چیز جس کا ثانی نہ ہو وہ یتیم کہلاتی ہے اس لیے درہ یتیمہ کہا جاتا ہے۔ اصمعی نے کہا یتیم ریت کے ایک اکیلے ذرہ کو کہتے ہیں اور کہا ہر اکیلی چیز کو یتیم کہا جاتا ہے۔

پس عبداللہ بن مبارک کے قول کا یہ مطلب ہوا امام ابوحنیفہؒ حدیث میں یکتا اور بے نظیر تھے، چنانچہ اس کی تائید خود ابن مبارکؒ کے

دوسرے قول سے ہوتی ہے، مناقب کردری ج ا ص ۲۲۹ میں ہے:

عن ابن المبارك قال اغلب على الناس بالحفظ والفقه والصيانة والديانة وشدة الورع.

ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ حافظہ، فقہ، علم، پرہیزگاری ودیانت اور تقویٰ میں سب لوگوں پر غالب تھے۔

عبداللہ بن مبارک امام صاحب کے شاگرد تھے، انہوں نے حضرت امام اعظم کی بہت زیادہ تعریفیں کی ہیں، مناقب موفق ابن احمد مکی ج ۲ ص ۵۱ میں ہے، سوید بن نصر کہتے ہیں:

سمعت ابن المبارك يقول لا تقولوا راى ابى حنيفه ولكن قولوا تفسيرالحديث وايضا فيه قال المحروم من لم يكن له حفظ من ابى حنيفة وايضا قال عبد الله بن المبارك هاتوا فى العلماء مثل ابى حنيفة والا دعونا ولا تعذبونا وايضا قال عليكم بالاثر ولابد للاثر من ابى حنيفة يتعرف به تاويل الحاديث ومعناه.

ابن مبارک فرماتے تھے یہ نہ کہو کہ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے، بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔ نیز فرمایا جس نے امام صاحب سے کچھ حاصل نہیں کیا وہ محروم ہے۔ عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا تمام علماء میں امام ابوحنیفہ جیسا کوئی عالم پیش کرہ، ورنہ ہمیں چھوڑ دو اور ہمیں نہ ستاؤ۔ نیز فرمایا تمہارے اوپر حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور حدیث کے سمجھنے کے لیے امام ابوحنیفہ کا قول ضروری ہے، تاکہ اس کے ذریعہ حدیث کی صحیح تاویل اور معنیٰ معلوم ہوجائیں۔

اور بہت سے اقوال عبداللہ بن مبارک کے امام صاحب کی شان میں شائع اور کتابوں میں مذکور ہیں، پس معلوم ہوا کہ معترض نے جو عبداللہ بن مبارک کو جارح امام صاحب سمجھا ہے یہ محض نفس پرستی اور غلط فہمی ہے۔

ثــانیــاً: بر تقدیر تسلیم ممکن ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے یہ کلمہ اس وقت فرمایا ہو جب امام صاحب علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے اور علم حدیث وفقہ کا زیادہ اشتغال نہ رہا ہو اور امام صاحب کی تعریفیں اور ان کی تعدیل وتوثیق جو عبداللہ بن مبارک نے کی ہے وہ اس وقت کی ہوں جبکہ امام صاحب محدث وفقیہ ہوچکے تھے، لہٰذا عبداللہ بن مبارک کے دونوں قول صحیح ہوسکتے ہیں اور امام صاحب پر کوئی حرف بھی نہیں آتا۔

کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کو حدیث میں چنداں دخل نہ تھا، کل سترہ حدیثیں جانتے تھے، تاریخ ابن خلدون میں ہے:

فابو حنيفة يقال بلغت روايته الى سبع عشرة حديثا.

جواب: ابن خلدون نے کسی مجہول شخص کا قول نقل کیا ہے جو غلط اور بدیہی البطلان ہے جیسا کہ تعبیر لفظ ''یــقــال'' ضعف مقولہ پر دال ہے اور اسی جگہ صراحتاً یہ بھی مذکور ہے:

وقد تقول بعض المتعصبين ان منهم من كان قليل البضاعة فى الحديث ولا سبيل الى هذا المعتقد فى كبار الائمة لان الشريعة انما توخذ من الكتاب والسنة الخ.

درحقیقت امام صاحب کو ہزاروں احادیث اور ہزاروں آثار صحابہ معلوم تھے، مگر آپ نے چونکہ اشرف علم فقہ علم کو زیادہ اپنایا، اس میں انہوں نے تدوین فرمائی اور وہ مقنن اور مدون تھے، اس لیے فقیہ مشہور ہوئے اور چونکہ محدث الفاظ حدیث کا ذمہ دار ہوتا ہے اور فقیہ معانی احادیث کو زیادہ جانتا ہے اور استنباط مسائل کرتا ہے، اس لیے اس کا مرتبہ زیادہ ہے، چنانچہ امام ترمذی نے باب غسل میت میں لکھا ہے اور یہی فقہا نے فرمایا اور حدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں۔ امام صاحب کو امام ذہبی نے حفاظت حدیث اور محدثین کے طبقہ خامسہ میں شمار کیا ہے،

جس طرح بہت سے صحابہ وتابعین اور محدثین حدیث کو بشکل حدیث بہت کم بیان کرتے تھے بلکہ بشکل مسئلہ بیان کرتے تھے اسی طرح امام صاحب نے بھی حدیث کو بشکل حدیث بیان نہیں کیا، البتہ مسائل مستنبطہ من الاحادیث کو بکثرت بیان کیا ہے۔ دوسرے قلیل الروایت ہونا قلیل العلم پر ہرگز دال نہیں، دیکھئے حضرت حسینؓ کے متعلق نواب صدیق خاں صاحب تفصار میں لکھتے ہیں کہ:

ہشت حدیث از وے مروی است ان سے صرف آٹھ حدیثیں مروی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ امام صاحب حدیث صحیح پر قیاس کو مقدم کردیا کرتے تھے، اسی وجہ سے محدثین ائمہ فن نے ان کو امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

جواب: اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حدیث کو بالائے طاق رکھ کر محض قیاس سے کام لیتے تھے تو یہ محض غلط ہے، کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ایسا نہیں کرسکتا چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو من یرد اللّٰہ به خیرا یفقه فی الدین کا مصداق کامل بنایا تھا، اس لیے آپ کتاب وسنت کے معانی ومطالب کے سمجھنے میں عقل وقیاس کو بہت زیادہ دخل دیتے تھے اور ہر پہلو کو خوب اچھی طرح دیکھ لیتے تھے، دین کے بارے میں عقلاء زمانہ کے امام تھے، لہٰذا ائمہ فن نے ان کی تعریف میں امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

آپ کے احسن الرائے ہونے میں تو کچھ کلام ہی نہیں، بڑے بڑے نقاد رجال نے آپ کی رائے کی تعریف کی ہے اور علامہ ذہبی نے تہذیب التہذیب میں اور دوسرے علماء نے اپنی تالیفات میں یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے:

سمعت یحییٰ بن سعید القطان یقول لا نکذب علی اللّٰہ ما سمعنا احسن من رائی ابی حنیفة.

یحییٰ ابن سعید القطان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گا، حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر ہم نے کسی کی رائے نہیں دیکھی۔

قلتِ عربیت: مخالفین نے امام ہمام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کو عربی بہت کم آتی تھی، چنانچہ اس میں ابن خلکان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ جب ابوعمر نحوی نے امام صاحب سے پوچھا کہ قاتل بالثقل پر قصاص ہے تب امام صاحب نے فرمایا لا لو رماہ باباقبیس کہنا چاہیے بابی قبیس بالجر نہ کہ بابا قبیس بالنصب غور فرمائیے کہ عراق نحو کا مرکز رہا ہے، بڑے بڑے تمام نحوی وہیں ہوئے ہیں، ہزار صحابہ وہاں وارد ہوئے ہیں جو فصاحت وبلاغت کے امام تھے، حضرت امام ابوحنیفہ کا نشو ونما اور تعلیم وتربیت سب اسی ماحول میں ہوئی، بڑے بڑے نحو ولغت کے ائمہ خود امام صاحب کے تلامذہ میں تھے، پھر نہ معلوم کس طرح امام صاحب کی طرف قلتِ عربیت کو منسوب کردیا گیا۔ درحقیقت امام صاحب عربیت کے بھی پیشوا اور امام تھے، یہی وجہ ہے کہ ابوسعید سیرافی، ابوعلی قاری اور ابن جنی جیسے ماہرین عربیت نے باب الایمان میں امام کے الفاظ کی شرح کے لیے کتابیں تالیف فرمائی ہیں اور لغت عربیہ پر آپ کی وسعت نظر اور وافر اطلاع پر اظہار تعجب کیا ہے۔

امام ابوبکر رازی نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کے اشعار امام شافعی کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور فصیح ہیں اور ظاہر ہے کہ جودۃ شعر بغیر بلاغت کے ممکن نہیں۔ (مناقب کردری ج ا ص ۵۹)

امام صاحب پر قلتِ عربیت کا اعتراض کرنے والوں نے آپ کی طرف جو کلمہ رما ہ بابا قبیس منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ ہونا چاہیے تھا ابی قبیس بالجر اور امام صاحب نے بابا قبیس بالنصب کہا جو قاعدہ کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ با حروف جارہ میں سے ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کلمہ امام صاحب سے کسی قابل اعتماد سند سے ثابت نہیں اور بالفرض صحیح بھی ہو تو بعض قبائل عرب کی وجہ

سے کوفیوں کی لغت میں اب کا استعمال جب غیر ضمیر متکلم کی طرف ہوتو تمام احوال میں الف کے ساتھ ہی ہوتا ہے، چنانچہ اسی قبیل سے یہ مشہور شعر بھی ہے:

ان اباها و ابا اباها　　　　قد بلغا فی المجد غائتاها

بے شک اس کے والد اور دادا دونوں بزرگی کے اعلی مقام تک پہنچ گئے۔

ظاہر ہے کہ امام صاحب بھی کوفی تھے اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی لغت بھی یہی ہے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ انہوں نے انت ابا جهل فرمایا نیز ابـاقبیس اس لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر گوشت لٹکایا جاتا ہے اور ابوسعید سیرافی نے کہا ہے کہ یہاں امام صاحب کی مراد یہ ہی ہو سکتی ہے نہ جبل ابی قبیس جیسا کہ معترضین نے سمجھا ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل کے ثبوت میں احادیث و آثار

جماعت اہل حدیث کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ہے اور نہ ان مسائل کو ثابت کرنے کے لیے احناف کے پاس کوئی حدیث ہے، اس سلسلے میں یہ لوگ حنفیہ پر ہزاروں طرح سے زبانِ طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں، اس لیے ہم ان مسائل کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے ثبوت میں کوئی حدیث نہیں ہے، تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے ثبوت میں حدیث نہ ہو اور کوئی ایک مسئلہ بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

ہمارا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ دوسری جانب حدیث نہیں ہے اور نہ ہم اس جگہ راجح مرجوح سے بحث کریں گے، بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ حنفیہ ہرگز غلط راہ پر نہیں ہیں، ان کے پاس مسائل کو ثابت کرنے کے لیے احادیث و آثارِ صحابہ ہیں، تاکہ موافقین تردد سے اور معترضین بدزبانی اور بدگمانی سے محفوظ رہیں۔

پہلا مسئلہ:

امام کے پیچھے مقتدی کسی نماز میں بھی خواہ وہ جہری ہو یا سری نہ الحمد پڑھے اور نہ سورت۔

حدیث (۱) عن ابی موسیٰؓ وابی هريرةؓ قالا قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم انما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع اللّٰه لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد. (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۷۴، مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۷۳، ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللّٰہم ربنا لک الحمد کہا کرو اس حدیث کو مسلم ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث (۲) عن جابرؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من كان له امام فقرأة الامام له قرأة. (ابن ماجہ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت گویا اس شخص کی قرأت ہے روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

حدیث (۳) عن حارث عن علیؓ قال سأل رجل النبی صلی اللّٰه عليه وسلم اقرأ خلف الامام او انصت قال لا بل انصت فانه يكفيك. (رواه البيهقی فی كتاب القرأة)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا امام کے پیچھے میں قرأت کروں یا خاموش رہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاموش رہو، روایت کیا اس کو بیہقی نے۔

حدیث (۴) عن ابی جمرة قال قلت لابن عباس اقرأ والامام بين يدی فقال لا. (طحاوی شریف)

ابوجمرہؓ نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ امام کے پیچھے کچھ پڑھوں، انہوں نے کہا نہیں، روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

حدیث (۵) عن زراره بن اوفی عن عمران بن حصين قال كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ينهی عن القرأة

خلف الامام. (بیہقی فی کتاب القرأۃ)

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأۃ خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے۔(روایت کیا بیہقی نے کتاب القرأۃ میں)

حدیث(۶)عن عبد اللّٰہ بن زید بن اسلم عن ابیہ قال کان عشرۃ من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینھون عن القرأۃ خلف الامام اشد النھی ابوبکر الصدیق وعمر الفاروق وعثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب وعبد الرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص وعبد اللّٰہ بن مسعود وزید بن ثابت وعبد اللّٰہ بن عمر وعبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنھم.

زید بن اسلم سے مروی ہے کہ دس بڑے صحابہ جن کے نام حسب ذیل ہیں ابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص وعبداللہ بن مسعود وزید بن ثابت وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم قرأۃ خلف الامام سے سختی سے منع فرماتے تھے۔اس کو شارح عینی نے کتاب الاسرار سے نقل کیا ہے۔

اب رہی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب بغیر فاتحۃ الکتاب (الحمد) کے نماز نہیں ہوتی۔

یہ اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو نہ کہ مقتدی کے لیے، چنانچہ ابوداؤد نے حضرت سفیان سے جو بہت بڑے محدث ہیں یہی معنی نقل کئے ہیں، قال سفیان ھذا لمن یصلی وحدہ (ابوداؤد ص۲۱۹) یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور اس کی تائید اس حدیث ترمذی سے بھی ہوتی ہے:

عن ابی نعیم وھب بن کیسان انہ سمع جا بر بن عبد اللّٰہ یقول من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القراٰن فلم یصل الا وراء الامام ھذا حدیث حسن صحیح. (ترمذی ج۱ص۴۴)

ابونعیم وہب بن کیسان سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ صحابی سے سنا کہ جو کوئی ایک رکعت بھی ایسی پڑھے جس میں الحمد نہ پڑھی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوتی بجز اس صورت کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں کرے پھر نہ کرے۔

حدیث(۱) عن علقمہ قال قال عبد اللّٰہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا اول مرۃ وفی الباب عن براء بن عازب حدیث بن مسعود حدیث حسن. (ترمذی ج۱ص۳۶)

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں، پھر نماز پڑھائی اور صرف اول بار میں یعنی تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا، روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

حدیث(۲) عن براء ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود. (ابوداؤد مجتبائی ج۱ص۱۱۶)

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک رفع یدین

کرتے اور پھر نہ کرتے، روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تیسرا مسئلہ: آمین جہری نماز میں بھی آہستہ کہے۔

عن علقمه ابن وائل عن ابيه ان النبى صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين خفض بها صوته. (ترمذی ج۱ص۳۵)

علقمہ ابن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیرالمغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ کر پست آواز میں آمین فرمائی روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

اور عینی میں ہے کہ اس روایت کو امام احمدؒ اور ابوداؤد طیالسی اور ابویعلی موصلی اپنے مسانید میں اور طبرانی اپنے معجم میں اور دارقطنی اپنے سنن میں اور حاکم اپنے مستدرک میں ان لفظوں سے لائے ہیں واخفى بها صوته یعنی پوشیدہ آواز سے آمین فرمائی اور حاکم کتاب القرأۃ میں لفظ خفض لائے ہیں اور حاکم نے اس حدیث کے نسبت یہ بھی کہا ہے کہ صحيح الاسناد ولم يخرجا یعنی اس کی سند صحیح ہے پھر بھی بخاری ومسلم اس کو نہیں لائے۔

چوتھا مسئلہ: قیام میں ہاتھ زیر ناف باندھے۔

حدیث: عن ابى جحيفة ان عليا قال من السنة وضع الكف على الكف فى الصلوة تحت السرة. **(ابوداؤد ج۱ص ۱۱۷)**

ابوجحیفہؓ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھا جائے۔(ابوداؤد)

حدیث: ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاتھ کا پکڑنا ہاتھ سے نماز کے اندر ناف سے نیچے ہے۔(ابوداؤد)

حدیث: عن ابى جحيفة ان عليا قال السنة وضع الكف فى الصلوة وليضعها تحت السرة (اخرجه ابن رزين) **مطبوعہ کلکتہ**

حضرت ابوجحیفہؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سنت طریقہ نماز میں ہاتھ باندھنا ہے اور اس کو ناف کے نیچے رکھا جائے، روایت کی ابن رزین ص۲۱۶ کتاب الصلوٰۃ۔

پانچواں مسئلہ: عدم جلسۂ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت سے جب اٹھنے لگے تو سیدھا کھڑا ہوجائے، بیٹھے نہیں۔

حدیث: عن ابى هريرةؓ قال كان النبى صلى الله عليه وسلم ينهض فى الصلوٰة على صدور قدميه قال ابوعيسىٰ حديث ابى هريرةؓ عليه العمل عند اهل العلم **(ترمذی شریف ج۱ص۲۹)**

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

چھٹا مسئلہ: جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے جس شخص کی سنت فجر رہ جائے وہ بعد آفتاب نکلنے کے پڑھے۔

حدیث: عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يصل ركعتى الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس (ترمذی ج ا ص ۵۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دو رکعت سنت نہ پڑھی ہو وہ ان دونوں کو بعد آفتاب نکلنے کے پڑھے۔(ترمذی)

ساتواں مسئلہ: وتر میں تین رکعت ہیں اور دو رکعت پر سلام نہ پھیرے، لیکن دو رکعت پر التحیات کے لیے قعدہ کرے اور دعاء قنوت رکوع سے قبل پڑھے اور قنوت سے پہلے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔

حدیث: عن ابی بن كعب قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ فى الوتر بسبح اسم ربك الاعلىٰ وفى الثانية بقل يا ايها الكافرون وفى الثالثة بقل هو الله احد ولا يسلم الا فى آخرهن.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم اور دوسری رکعت میں قل یا ایها الکافرون اور تیسری میں قل هوالله احد پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہ پھیرتے تھے، بالکل اخیر میں پھیرتے تھے۔

حدیث: عن ابی كعب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلث ركعات وفيه يقنت قبل الركوع. (نسائی شریف ج ا ص ۲۴۸)

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے اور قنوت قبل الرکوع پڑھتے تھے۔

عن عائشةؓ فى حديث طويل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فى كل ركعتين التحية. (مسلم ج ا ص ۱۹۴ مجتبائی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے۔(روایت کیا اس کو مسلم نے)

صحیح مسلم کی روایت میں لفظ فی کل رکعتین اپنے عموم کے اعتبار سے وتر کی رکعتین کو شامل ہونے میں نص صریح ہے۔

حدیث: اخرج بيهقى وغيره عن ابن عمر وابن مسعود رفع اليدين مع التكبير فى القنوت. (عمدة الرعايه لمولانا عبد الحى اصح المطابع ۱۹۹

بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عمر و ابن مسعود سے قنوت میں اللہ اکبر کے ساتھ رفع یدین کرنا روایت کیا ہے۔(عمدۃ الرعایہ)

آٹھواں مسئلہ: تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی۔

حدیث: عن ابن عمر فقلت يا رسول الله ارايت لو طلقتها ثلاثا اكان يحل لى ان اراجعها فقال له كانت تبين لك وكانت معصية. (رواہ مصنف ابن ابی شیبہ ودارقطنی وطبرانی)

حضرت عبداللہ ابن عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں اپنی عورت کو تین طلاق دوں تو رجوع جائز ہے یا نہیں، آپؐ نے فرمایا نہیں، عورت تجھ سے الگ ہو جائے گی اور تو گنہگار ہوگا۔ تفسیر مظہری ج ا ص ۲۰۵

حدیث: عویمر عجلانی کی طویل حدیث جس کو امام بخاری نے باب من جواز الطلاق الثلاث میں روایت کیا ہے اس حدیث کے اخیر میں ہے:

فلما فرغا قال عویمر کذبت علیها یا رسول اللّٰہ ان امسکتها فطلقها ثلاثا قبل ان یامره رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم.

پس جب دونوں عویمر اور ان کی بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا کہ اگر میں اس کو اپنے پاس روک لوں جھوٹا ہوں پھر انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں اس سے پہلے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حکم دیں۔

حضرت عویمر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیک مجلس میں تیں طلاقیں دیں، آپؐ نے اس پر نہ انکار کیا اور نہ یہ فرمایا کہ تین طلاقیں دینا لغو ہے، بلکہ آپؐ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

حدیث: عن ابن شهاب عن سهل قال وطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فانفذه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم. **(ابوداؤد)**

یعنی حضرت سہلؓ نے کہا جب عویمر نے تین طلاقیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرمادیا۔ **(ابوداؤد)**

حدیث: عن عائشۃؓ ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول. **(بخاری باب من جوز الطلاق الثلاث)**

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر اس نے دوسرے مرد سے نکاح کیا، پھر اسنے بھی (قبل الجماع) طلاق دے دی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہے، آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک دوسرا بھی اس طرح کا مزہ نہ چکھ لے جس طرح پہلے نے چکھا تھا۔

حدیث: ان رجلا جاء الی عبد اللّٰہ بن مسعود فقال انی طلقت امرأتی ثمانی تطلیقات فقال ابن مسعود فما قیل لك قال قیل لی انها قد بانت منك فقال ابن مسعود صدقوا هو مثل ما یقولون. **(مؤطا امام مالک)**

ایک شخص حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اس کے بارے میں تم سے کیا کہا گیا ہے، اس نے جواب دیا کہ مجھ سے کہا گیا کہ وہ عورت تجھ سے جدا ہوگئی، انہوں نے فرمایا لوگوں نے سچ کہا، یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا لوگ کہتے ہیں۔

اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود کا فتویٰ یہی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت تمام اہل کوفہ یہی فتویٰ دیتے تھے۔

حدیث: نعمان بن ابی عیاش انصاری عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے اس شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھنے کے لیے آئے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاق دے چکے تھے۔

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے کہا کہ باکرہ کی طلاق تو ایک ہے:

فقال لی عبد اللّٰہ بن عمر بن العاص انما انت قاص الواحدۃ تبینھا والثلاث تحرمھا حتی تنکح زوجا غیرہ. (مؤطا امام مالک)

پس عبداللہ بن عمر بن العاص نے مجھ سے کہا کہ تم محض قصہ گو ہو، ایک طلاق اس کو جدا کر دے گی اور تین طلاقیں اس کو حرام کر دیں گی جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

حدیث: محمد بن ایاس بکر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاق دے دیں، پھر اس کی رائے ہوئی کہ اس سے نکاح کرے، وہ فتویٰ لینے کے لیے آیا اور میں اس کے ساتھ گیا:

فسئل عبد اللّٰہ بن عباس و اباھریرۃ عن ذالك فقالا لا نریٰ ان تنکح حتی تنکح زوجا غیرك قال فانما کان طلاقی واحدۃ فقال بن عباس انك ارسلت ما کان لك من فضل. (مؤطا)

پس حضرت ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ نے کہا تم اس سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتے جب تک وہ تمہارے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اس نے کہا میں نے دراصل اس کو ایک طلاق دی تھی، ابن عباس نے کہا تمہیں جو اختیار تھا تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

حدیث: ان رجلا قال لعبد اللّٰہ بن عباس انی طلقت امرأتی ما ئۃ تطلیقۃ فماذا تریٰ علي فقال لہ ابن عباس طلقت منك بثلاث و سبع و تسعون اتخذت بھا آیات اللّٰہ ھزوا. (مؤطا امام مالک)

ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں، آپ کے خیال میں مجھ پر کیا چیز عائد ہوتی ہے، ابن عباس نے کہا وہ تین طلاقوں کے ذریعہ تجھ سے آزاد ہو گئی اور ستانوے طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں سے استہزا کیا۔

حدیث: عن مالك بن الحارث قال جا ء رجل الی ابن عباس فقال ان عمی طلق امرأتہ ثلاثا فقال ان عمك عصی اللّٰہ فاثم اللّٰہ و اطاع الشیطان فلم یجعل لہ مخرجا. (معانی الآثار طحاوی)

حضرت مالک ابن حارث نے کہا کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں کہا کہ تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور شیطان کی اطاعت کی، پس اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔ (طحاوی)

حدیث: عن انس قال لاتحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ.

حضرت انس نے تین یکجائی طلاقوں کے بارے میں فرمایا ان کے لیے حلال نہیں ہے جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے (طحاوی)

روی وکیع عن الاعمش عن ابی حبیب عن ابی ثابت قال جا ء رجل الی علی بن ابی طالب فقال انی طلقت امرأتی الفا فقال لہ علی بانت منك بثلاث. (طحاوی شریف)

حضرت ابو ثابت سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا وہ تین طلاقوں سے بائن ہو گئی۔ (طحاوی)

حدیث: روی وکیع ایضا عن معاویۃ ابن ابی یحیٰ قال جاء رجل الی عثما ن بن عفان فقال طلقت الفا فقال بانت

منك بثلاث. (طحاوی)

حضرت وکیع نے معاویہ بن یحییٰ سے یہ بھی روایت کیا ہے ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں، انہوں نے کہا کہ وہ تین طلاقوں سے جدا ہوگئی۔ (طحاوی)

حدیث: قال الليث عن نافع كان ابن عمر اذا سئل عن طلق ثلاثا قال لو طلقت مرة او مرتين فان النبي صلى الله عليه وسلم امرني بهذا فان طلقتها ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجا غيرك. (بخاری شریف ج۲ص۷۹۲)

حضرت عمر سے جب تین طلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ک ایک یا دو طلاق دینا چاہیے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایسا ہی حکم دیا تھا اور جب تم نے تین طلاق دیں تو وہ عورت اب حرام ہوگئی جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (بخاری شریف)

حدیث: وكان عبد الله اذا سئل عن ذالك قال لاحدهم اما انت طلقت امرأتك مرة او مرتين فان رسو ل الله عليه وسلم امرني بهذا وان كنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجا غيرك وعصيت الله فيما امرك من طلا ق امرأتك. (صحیح مسلم ج۱ص۴۷۶)

جب کوئی تین طلاقیں دے کر ابن عمر سے پوچھتا تو فرماتے کہ ایک یا دو طلاق دینا چاہئے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسا ہی حکم دیا تھا، اگر تم نے تین طلاقیں دی ہیں تو وہ عورت تم پر حرام ہوگئی جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرے اور تم نے اللہ کی نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم)

حدیث: عن مجاهد قال كنت ابن عباس فجاء رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحمقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وان الله قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا عصيت ربك وبانت امرأتك. (ابوداؤد ج۱ص۳۰۶)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا، ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت ابن عباس خاموش رہے، میں نے خیال کیا کہ شاید رجعت کا حکم دیں گے، پھر انہوں نے فرمایا حماقت پر سوار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے ابن عباس اے ابن عباس، بیشک خدا نے فرمایا ہے کہ جو خدا سے ڈرے اس کے لیے چھٹکارے کی صورت ہوتی ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا، اس لیے تیرے واسطے کوئی مخلص نہیں ہے، تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی۔ (ابوداؤد)

کتاب الآثار (امام محمد) میں ہے باب من طلق ثلاثا (تین طلاقیں دینے کے بیان میں)

حدیث: قال اخبرنا ابو حنيفة عن عبد الله بن عبد الرحمٰن ابن ابى حسين عن عمرو بن دينار عن عطاء ان رجلا جاء عند ابن عباس فقال طلقت امرأتى ثلاثا قال يذهب احدكم فيتلطخ بالاثم فياتى بعده عندنا اذهب انت عصيت ربك فقد حرمت امرأتك لا تحل لك حتى تنكح زوجا غيرك قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابى حنيفة وقول العامة من اهل العلم لا اختلاف فيه. (کتاب الآثار ص۲۲۰)

امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن اور حضرت عمرو ابن دینار کے واسطہ سے حضرت عطاء سے روایت

کرتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا، اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم جیسے لوگوں کا طریقہ ہے کہ گندگی سے پوری طرح آلودہ ہو جاتے ہو پھر ہمارے پاس آتے ہو، چلے جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی، تم پر تمہاری بیوی حرام ہوگئی تاوقتیکہ وہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور اس کی صحبت سے متمتع نہ ہو، پھر طلاق دے دیا جائے، پھر عدت کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرے تب حلال ہوسکتی ہے۔ امام محمد نے کہا ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ کا اور عام اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (کتاب الآثار)

حضرت امام حسنؓ نے اپنی بیوی کی کسی بات سے آزردہ ہو کر کہہ دیا اذهبی فانت طالق ثلاثا یعنی تو چلی جا تجھ کو تین طلاق، بعد میں حضرت امام حسنؓ کو معلوم ہوا کہ بیوی کو جدائی کا بہت صدمہ ہے آپ رونے لگے پھر فرمایا:

حدیث: لولا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امرأته ثلاثا عند الاقرأ او ثلاثا بمبهمة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لراجعتها. (دارقطنی ج ۲ ص ۷ ۳۷ سنن کبری ج ۷ ۳۳۶)

اگر میں نے اپنے نانا سے نہ سنا ہوتا یا یہ فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے یہ سنا وہ فرماتے تھے کہ انہوں نے اگر میرے نانا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں طہروں میں دیدے یا تین طلاقیں مبہم (ایک لفظ میں دیدے) تو جب تک وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرلے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی تو میں عورت کو ضرور واپس لے آتا۔ (دارقطنی)

ان احادیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ نے پورے طور پر واضح کر دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں یا بیک کلمہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

اب رہی حدیث رکانہ جس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر تین طلاق بول کر بھی ایک کی نیت کی گئی ہے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

حدیث رکانہ: عن عبد اللّٰہ بن یزید بن رکانه عن ابیه عن جده قال اتیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقلت یا رسول اللّٰہ انی طلقت امرأتی البتة فقال ما اردت بها قلت واحدة قال واللّٰہ قلت واللّٰہ قال فهو ما اردت. (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۴۰)

حضرت رکانہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اپنی عورت کو طلاق البتہ دی ہے، آپؐ نے فرمایا تم نے کیا ارادہ کیا ہے، میں نے عرض کیا ایک طلاق کا، آپ نے فرمایا بخدا ایک کا ارادہ کیا ہے، میں نے فرمایا بخدا ایک کی نیت کی تھی، تب آپؐ نے فرمایا ارادہ کے مطابق ایک طلاق ہوئی۔

حدیث: عن عبد اللّٰہ بن علی بن یزید بن رکانه عن ابیه عن جده انه طلق امرأته البتة فاتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فساله فقال ما اردت بها قال واحدة قال واللّٰہ ما اردت بها الا واحدة قال واللّٰہ ما اردت بها الا واحدة قال فردها علیه. (ابن ماجہ شریف مجتبائی ج ۱ ص ۱۴۹ ابوداؤد مجتبائی ج ۱ ص ۳۰۶)

حضرت رکانہؓ کہتے ہیں میں نے اپنی عورت کو طلاق البتہ دی، پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا تمہاری مراد کیا تھی، میں نے عرض کیا ایک طلاق، آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم، میں نے عرض کیا بخدا ایک کی نیت تھی تب آپؐ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا یعنی اس کو ایک طلاق رجعی قرار دیا۔ (ابن ماجہ شریف اور ابوداؤد نے اس کو روایت کیا)

مذکورہ بالا حدیث رکانہ سے ہرگز یہ بات نہیں نکلتی کہ لفظ ثلاثہ کے کہنے سے بھی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ خود حضرت رکانہؓ سے

مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دی (جس میں ایک سے تین تک کی گنجائش ہوتی ہے، ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اور تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا واللّٰہ ما اردت الا واحدۃ (خدا کی قسم میں نے ایک ہی طلاق کی نیت کی ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللّٰہ ما اردت الا واحدۃ اللہ کی قسم تو نے ایک ہی کی نیت کی تھی تو رکانہؓ نے کہا واللّٰہ ما اردت الا واحدۃ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم نے نیت کی ہے اسی کا اعتبار ہے۔

غور فرمائیے، اگر ایک ہی واقع ہوتی تو قسم دے کر ایک طلاق کی نیت متعین کرنے کی کیا ضرورت تھی، فرما دیتے کہ ایک کی نیت ہو یا تین کی ایک ہی شمار ہوگی، لہٰذا یہ بات قطعاً غلط ہے کہ تین طلاق دینے کے اراد سے تین دے تب بھی ایک ہی واقع ہوتی ہے تین نہیں ہوتیں۔

نواں مسئلہ: تراویح کی بیس رکعات ہیں۔

حدیث: عن ابن عباس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر. (بیہقی ج ا ص ۴۹۶)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ (بیہقی) حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور بغوی نے مجمع صحابہ میں بیان کیا ہے۔

حدیث: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر. (زجاجۃ المصابیح)

حدیث: حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام رافعی کے واسطہ سے نقل کیا ہے:

انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعۃ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیھم ثم قال من الغدائی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقونھا متفق علی صحہ دون عدد الرکعات.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائی، پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہوئے مگر آپؐ باہر تشریف نہیں لائے، پھر دوسرے روز کو فرمایا مجھے اندیشہ تھا کہ یہ تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو اس لیے باہر نہیں آیا۔

حدیث: عن ابن عباس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی فی شھر رمضان عشرین رکعۃ.

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (قاضی خان ج ا ص ۱۱۰)

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابی بن کعب کو اور لوگوں کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا فصلی بھم عشرین رکعۃ بس انہوں نے لوگوں کو (صحابہ و تابعین کو) بیس رکعات پڑھائیں۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۱۰)

حدیث: عن یحییٰ بن سعید عن عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ.(رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ مرسل)

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک آدمی (ابن کعب) کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔ اس روایت کی سند مرسل اور قوی ہے۔

حدیث: عن عبد العزیز ابن رفیع قال کان ابی ابن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة و یوتر بثلاث. **(اخرجہ ابوبکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی)**

حضرت ابی ابن کعبؓ مدینہ منورہ میں بیس رکعات رمضان المبارک میں لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث: عن یزید بن حفصه عن السائب بن یزید قال کان یقومون علی عهد عمر فی شهر رمضان بعشرین رکعة. **(بیہقی ص۴۹۶ ج۲)**

یزید ابن حفصہ روایت کرتے ہیں سائب ابن یزید سے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔

حدیث: یزید ابن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة. **(رواہ موطا مالک ص۵۰)**

یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ماہِ رمضان میں لوگ تیئس رکعات پڑھا کرتے تھے۔(رواہ موطا مالک ۵۰)

حدیث: عن عبد الرحمٰن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا ان یصلی بالناس عشرین رکعة و کان علی یوتر بهم. **(معرفۃ السنن للبیہقی ج۱ص۲۷۷ وسنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ص۴۹۶)**

حضرت عبدالرحمٰن سلمیؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں اور حضرت علیؓ ان کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں صحابہ بلا کسی اختلاف کے ان کے حکم سے بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔اب اس بارے میں اسلاف کے اقوال ملاحظہ فرمایئے:

محدث ابن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں رقمطراز ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع صحابہ ہوا ہے۔(کتاب المغنی ص۸۰۳ ج۱)

مشہور حافظ حدیث علی بن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام حضرت عمر فاروق اعظم کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۱۷۴ ج۱)

حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ ابن تیمیہ میں فرماتے ہیں:

فلما کان ذالك یشق عن الناس قام بهم ابی بن کعب فی زمن عمر بن الخطاب عشرین رکعة یوتر بعدها. **(ص۱۳۰ ج۱)**

جب لوگوں پر یہ بات شاق گذری تب حضرت ابی ابن کعب نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کو بیس رکعات پڑھائیں اور بعد میں وتر پڑھائے۔

آگے چل کر اور زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں:

فانه قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذالك هو السنة لانه قام بین المها جر ة والانصار ولم ینکر منکر. **(فتاوی ابن تیمیہ)**

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضرت ابی ابن کعب لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے، پس

بہت سے علماء کے نزدیک سنت یہی ہے، کیونکہ یہ عمل مہاجرین اور انصار کے سامنے ہوا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔
یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلد اپنا پیشوا مانتے ہیں، اس فتویٰ میں تصریح ہے کہ بیس رکعت ہی سنت ہے، قطب العارفین امام شعرانی فرماتے ہیں:

ثم ان عمرؓ امر بفعلها ثلاثا وعشرين ركعة ثلاث منها وتر واستقر الامر على ذالك فى الامصار. (کشف الغمہ ۱۶۷)
حضرت عمرؓ نے تیئیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا، اس میں تین رکعت وتر ہیں اور تمام شہروں میں یہی امر قرار پایا۔
مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن مرحوم بھوپالی کا ارشاد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔ (عون الباری ج۴ص ۳۱۷)
علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں:

كانوا يقومون على عهد عمرؓ بعشرين ركعة وعلى عهد عثمانؓ وعليؓ مثله. (عینی ج۷ص ۱۷۸)
حضرت عمرؓ وعثمان اور علیؓ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (غوث اعظم) فرماتے ہیں:

وهى عشرون ركعة يجلس عقب كل ركعتين ويسلم وينوى فى كل ركعتين اصلى ركعتى التراويح المسنونة.
تراویح کی بیس رکعات ہیں، ہر دو رکعت پر قاعدہ کیا جائے اور سلام پھیرا جائے اور اس طرح نیت کرے میں دو رکعت تراویح مسنونہ پڑھتا ہوں
امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

التراويح وهى عشرون ركعة وكيفيتها مشهورة وسنة مؤكدة. (احیاء العلوم ج۱ص ۲۰۸)
تراویح کی بیس رکعت ہیں اور اس کی کیفیت مشہور اور معروف ہیں۔
مولانا قطب الدین خان محدث دہلوی فرماتے ہیں: لیکن اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ (مظاہر حق ص ۴۳۶ ج ۱)
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعات مقرر ہوئی تھیں، فرماتے ہیں:

وزادت الصحابه ومن بعدهم فى قيام رمضان ثلاثة اشياء الاجتماع له فى مساجدهم وذالك لانه يفيد التيسر على خاصتهم وعامتهم واداء ه فى اول الليل مع القول بان صلوٰة آخر الليل مشهورة وهى افضل كما نبه عمرؓ لهذا التيسر الذى اشرنا اليه وعدده عشرون ركعة. (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ص ۶۷)
صحابہ ومن بعد ہم نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں، مسجدوں میں جمع ہونا کیونکہ اس سے عوام وخواص پر آسانی ہوتی ہے اور اس کو شروع رات میں ادا کرنا حالانکہ اخیر رات میں نماز کا پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور تعداد تراویح کی بیس رکعات ہے۔

اب رہی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه اخبره سال عائشةؓ كيف كانت صلوٰة رسول الله صلى الله عليه و سلم فى رمضان فـقـالـت ماكان رسول الله صلى الله عليه و سلم يزيد فى رمضان و لا غيره على احدى عشرة ركعة يصلى اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طو لهن ثم يصلى اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ثم يصلى ثلاثا. قالت عائشة فقلت يا رسول الله تنام قبل ان توتر فقال يا عائشة ان عينى تنامان و لا ينام قلبى. (بخاری کتاب التہجد ج اص ۱۵۴، ج اص ۲۹۶)

حضرت ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آپ ؐ نہ رمضان میں گیارہ رکعات سے بڑھاتے تھے نہ غیر رمضان میں، چار رکعت پڑھتے تھے، ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے تھے، ان کی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو، پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ میرے آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔ (بخاری)

یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے نہ کہ تراویح کے بارے میں، اس میں سیدہ عائشہ اس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں جو رمضان کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے، وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز ہے، چنانچہ حاملین حدیث اور علماء کبار نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

علامہ شمس الدین کرمانی شارح بخاری فرماتے ہیں ''امـا ان الـمـراد بهـا صـلوة الوتر والسوال والجواب واردان عليه ''یعنی حدیث میں تہجد مراد ہے اور حضرت ابوسلمہ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔ (الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری ج اص ۱۵۶۔۱۵۵)

حضرت شاہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں ''وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزارد ہمہ تہجد بود کہ یازدہ رکعت باشد'' یعنی اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ''روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان و غیر رمضان یکساں بود'' یعنی وہ نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ (مجموعہ فتاوی عزیزی ص ۱۲۵)

پھر یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ائمہ حدیث نے اس حدیث عائشہ کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے نہ کہ باب تراویح میں، ملاحظہ ہو مسلم شریف ج اص ۲۵۴، سنن ابوداؤد ج اص ۱۹۶، ترمذی شریف ج اص ۵۸، نسائی شریف ج اص ۱۵۴، موطا امام مالک ص ۴۲

اسی سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے۔

امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی مشہور کتاب ''قیام اللیل'' میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں، مگر مذکورہ بالا حدیثِ عائشہ نقل نہیں فرمائی، اس لیے ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں، دیکھئے قیام اللیل ص ۹۲، ۹۱۔ حافظ حدیث ابن قیم نے بھی زاد المعاد ص ۸۶ میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبی کا یہ قول بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیے کہ بہت سے اہل علم اس روایت کو مضطرب

مانتے ہیں۔(عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۸۷)

مختصر یہ کہ مذکورہ روایت عائشہ آٹھ رکعت تراویح کے لیے کسی طرح قابل حجت نہیں، اس کے برخلاف حضرت ابن عباسؓ کی بیس رکعت والی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اس کو عملاً قبول کرلیا ہے۔

دسواں مسئلہ: عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد پر ہیں۔

حدیث: عن عبد الرحمٰن بن ثوبان عن ابیه عن مکحول قال اخبرنی ابوعائشة جلیس لابی هریرة ان سعید بن العاص سال ابا موسیٰ الاشعری وحذیفة بن الیمان کیف کان یکبر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی الاضحیٰ والفطر فقال ابوموسیٰ کان یکبر اربعا تکبیره علی الجنائز فقال حذیفة صدق فقال ابوموسیٰ کذالك کنت اکبر فی البصرة حیث کنت علیهم وقال ابو عائشة وانا حاضر سعید بن العاص. **(ابوداؤد ج ا ص ۱۷۹، مصری)**

حضرت مکحول سے روایت ہے کہ مجھ کو ابو عائشہ مصاحب ابو ہریرہؓ نے خبر دی کہ حضرت سعید بن العاص نے ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کس طرح تکبیریں کہا کرتے تھے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا جس طرح جنازے میں چار تکبیریں یں کہی جاتی ہیں اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا آپ سچ کہتے ہیں، اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا اسی طرح میں بصرہ میں تکبیر کہا کرتا تھا جب میں وہاں تھا، ابو عائشہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت سعید بن العاص کے پاس موجود تھا۔

حدیث: محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن عبد اللّٰه بن مسعود انه کان قاعدا فی مسجد الکوفة ومعه حذیفة بن الیمان وابوموسیٰ الاشعری فخرج علیهم الولید ابن عقبه بن ابی معیط وهو امیر الکوفة یومئذ فقال ان غدا عیدکم فکیف اصنع فقال اخبره یا ابا عبد الرحمٰن کیف یصنع فامره عبد اللّٰه بن مسعود ان یصلی بغیر اذان ولا اقامة وان یکبر فی الاولیٰ خمسا والثانیة اربعا ویوالی بین القرائتین وخطب بعد الصلوٰة علی راحلة .**(کتاب الآثار لامام محمد ومصنف عبد الرزاق)**

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مری ہے کہ وہ مسجد کوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ حضرت حذیفہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے کہ کوفہ کا حاکم ولید بن عقبہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کل عید ہے، میں کس طرح کروں، حضرت حذیفہؓ نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن (یہ کنیت ہے ابن مسعود کی) آپ ان کو بتلایئے تب حضرت ابن مسعود نے اس کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھے بغیر اذان واقامت کے اور یہ کہ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں (ایک تکبیر تحریمہ تین تکبیر زوائد اور ایک تکبیر رکوع) اور دوسرے رکعت میں چار تکبیریں کہے (تین تکبیرات زوائد ایک تکبیر رکوع) اور نماز کے بعد خطبہ پڑھے اپنی راحلہ پر اور قرأۃ میں اتصال ہو یعنی تکبیرات پہلی رکعت میں قبل القرأۃ اور دوسرے رکعت میں بعد القرأۃ۔

روایت کیا اس کو کتاب الا ثار لامام محمد اور مصنف عبد الرزاق نے۔

حدیث: حدثنا حثیم اخبرنا خالد عن الشعبی عن مسروق قال عبد اللّٰه بن مسعود یعلمنا التکبیر فی العیدین تسع

تكبيرات خمس فى الاولىٰ واربع فى الاخرىٰ ويوالى بين القرائتين ويخطب بعد الصلوٰة على راحلة والمراد بالخمس تكبيرة الافتتاح والركوع وثلث زوائد وبالاربع ثلث زوائد وتكبيرة الركوع. (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت مسروق سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ہمیں عید کی نو تکبیریں سکھلائیں، پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود دونوں رکعتوں کی قرأۃ کے درمیان تکبیر زوائد نہیں کہتے تھے اور نماز کے بعد اپنی راحلہ پر خطبہ پڑھتے تھے اور پہلی رکعت میں پانچ تکبیروں سے مراد ایک تکبیر تحریمہ اور ایک تکبیر رکوع اور تین تکبیرات عید ہیں، دوسری رکعت کی چار تکبیروں سے مراد تین تکبیرات عید اور ایک تکبیر رکوع۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی نو تکبیروں کی یہ تفصیل حضرت مسروق ان کے شاگرد فرما رہے ہیں:

حدیث: عن علقمة والاسود قالا كان ابن مسعود جالسا وعنده حذيفة وابوموسىٰ الاشعرى فسألهم سعيد بن العاص عن التكبير فى الصلوٰة فقال حذيفة سئل الاشعرى فقال الاشعرى سئل عبد الله فانه اقدمنا واعلمنا فسائله فقال ابن مسعود كان يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم فى الثانية فيقرأ ثم يكبر اربعا بعد القرأة. (رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ)

حضرت علقمہ اور حضرت اسود فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسی اشعری تشریف فرما تھے، حضرت سعید بن العاص نے نماز عید کی تکبیرات کے بارے میں سوال کیا تو حضرت حذیفہ نے کہا کہ حضرت ابوموسی اشعری سے دریافت کرو، حضرت ابوموسی اشعری نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کرو، کیونکہ وہ ہمارے بزرگ ہیں اور ہم سے بڑے عالم، تب انہوں نے ان سے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں چار تکبیریں (ایک تکبیر افتتاح اور تین تکبیرات عید) کہتے پھر قرات کرتے، پھر دوسری کے لیے کھڑے ہوجاتے اور قرات کرتے، پھر چار تکبیریں (تین تکبیرات عید اور ایک تکبیر رکوع) کہتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق)

گیارواں مسئلہ: اللہ تعالی کے دربار میں وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے، یعنی دعا میں اس طرح کہنا کہ اے اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے یا بحق فلاں یا بحرمت فلاں بزرگ میری فلاں حاجت پوری کردے جائز بلکہ مستحسن اور ارجی للاجابۃ ہے۔

حدیث ا: عن عثمان بن حنيف قال ان رجلا ضرير البصر اتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله ان يعافنى فقال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خيرلك قال فادعه قال فامره ان يتوضأ فيحسن الوضوء ويدعو بهذا الدعاء اللهم انى اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبى الرحمة انى اتوجه بك الى ربى ليقضى لى فى حاجتى هذه اللهم فشفعه.

حضرت عثمان بن حنیف کہتے ہیں ایک شخص کی نظر میں کچھ نقصان تھا، وہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ اللہ سے مری صحت کے لیے دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا چاہو تو دعا کردوں اور چاہو تو صبر کرلو، کیونکہ یہ (رضا بقضا کا مقام ہے) تمہارے لیے بہتر ہے، اس نے عرض کیا آپ دعا ہی فرما دیجیے، آپ نے فرمایا اچھا تو اچھی طرح وضو کرو پھر اس طرح دعا کرو کہ اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نبی رحمت ہیں تیرے دربار میں وسیلہ اختیار کرتا ہوں، اے نبی میں نے اپنے رب کے دربار میں آپ کا وسیلہ اس لیے اختیار کیا تاکہ وہ میری ضرورت پوری فرمادے، اللہ تو ان کی شفارش میرے حق میں قبول فرما۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے، نیز اس حدیث کو حصن حصین نے جامع ترمذی، سنن نسائی وابن ماجہ اور حاکم سے نقل کیا ہے، بروایت حاکم آپ ؐ کی دعا سے ان کی بینائی واپس ہوگئی۔

حدیث۲: عـن انس ان عمر بن الخطاب کان اذ قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبد المطلب فقال اللهم انا کنا نتوسل الیك بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیك بعم نبینا فاسقنا فیسقوا. (رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے جب لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور کہتے اے اللہ پہلے ہم تیرے دربار میں اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کیا کرتے تھے اور تو بارش برساتا تھا، اب ہم آپ ؐ کے چچا کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں تو بارش برسادے، چنانچہ بارش ہوجاتی تھی۔(اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

حدیث۳: حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوگئی تب انہوں نے کہا اے ہمارے پالنے والے میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو بخش دے۔

محدث حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا اور دلائل نبوت میں امام بیہقی اور طبرانی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

امام تقی الدین نے اس حدیث عمرؓ کے تحت میں شفاء السقام میں انبیاء علیہم السلام کی ذات سے وسیلہ پکڑنے میں علامہ ابن تیمیہؒ کے سوا کسی کا اختلاف سلف وخلف سے نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے۔

حدیث۴: حضرت ابوسعید خذریؓ سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی شخص سے اپنے گھر سے باہر نماز کے لیے نہ نکلا مگر یہ کہتا ہوا کہ اے اللہ میں ان سوال کرنے والوں کے حق کے بدلے جو تجھ پر ہے اور میں اس نماز کی طرف جانے کے حق کے بدلے تجھ سے سوال کرتا ہوں بیشک میں برائی چاہنے اور نافرمانی کرنے اور دکھانے سنانے کے واسطے باہر نہیں ہوا ہوں، بلکہ تیری خوشنودی چاہ کر اور تیرے عذاب سے ڈر کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دیدے اور ہمارے کل گناہوں کو بخش دے، حق یہ ہے کہ تیرے سوا کوئی ہمارے گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے تو اس کی دعا قبول ہوگی اور بخشا جائے گا۔

اس روایت کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مکتوب ص ۳۸ مکتوبات شیخ الاسلام جلد۴ میں نقل کیا ہے۔

حدیث۵: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ اس طرح کہو اے ہمارے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل، حضرت ابراہیم کی طفیل حضرت عیسیٰ کے طفیل اور توریت وانجیل وزبور اور قرآن مجید کے طفیل اور ہر اس وحی کے بدلے جو تو نے کسی پر بھیجی ہے اور ہر حاجت کے وسیلہ سے جس کو تو نے پورا کیا ہے اور ہر اس سائل کے وسیلہ سے جس کو تو نے عطا فرمایا۔اس روایت کو صاحب قوۃ القلوب اور ملا علی قاری نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

حدیث۶: حافظ بدرالدین عینی حضرت کعب احبار سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اپنے نبی کے اہل بیت کے وسیلہ سے بارش مانگنا بنی اسرائیل میں بھی رائج تھا۔ان روایات سے بلاغبار ثابت ہے کہ دعا بحق فلاں نبی یا بوسیلہ فلاں نبی یا بطفیل فلاں نبی قطعاً جائز اور اسلم طریقہ ہے، نیز صالحین کی ذات یا ان کے آثار اور ملبوسات وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ پکڑے اور طفیل بنائے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ یعنی حضرت اسماءؓ ایک جبہ سبز منقش کسروانیہ جس کے دامن وگریباں وآستین میں ریشمی سنجاف لگے تھے نکال کر میرے پاس لائیں اور کہا یہ جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے حضرت عائشہؓ کے پاس ان کی وفات کے زمانہ میں تھا، ان کی وفات کے بعد میں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے، میں اس کو دھو کر بیماروں کو پلاتی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس جبہ کی برکت اور توسل سے شفا چاہتی ہوں۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ صلحاء کے ملبوسات توسل اور برکت کا ذریعہ ہوتے ہیں، یہ ہمارا فیصلہ نہیں بلکہ سنن اور آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقت شناس شارحین حدیث کا بے لاگ فیصلہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بخاری کی شرح فتح الباری میں فرماتے ہیں:

وھو اصل فی التبرك بآثار الصالحين یعنی یہ حدیث آثار الصالحین سے برکت حاصل کرنے میں سند ہے۔

علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری جلد۴ میں فرماتے ہیں:

وھو اصل فی التبرك باثا رالصالحين.

شیخ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

ففيه التبرك بآثار الصالحين ولباسهم یعنی آثار الصالحین اوران کے لباس سے برکت ڈھونڈنے کی سند اس حدیث کے اندر موجود ہے۔

صاحب تیسیر القاری شیخ الاسلام اور علامہ زرقانی بھی اس کے قائل ہیں حتی کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم مغفور تک شرح بلوغ المرام میں رقمطراز ہیں: دریں جا دلیل است برجواز استشفا بملبوسات بزرگاں وبودن آں بابرکت بسبب مماسات بدن ایشاں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں پر بعض حضرات کی طرف سے شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خدا کی ذات اتنی اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کے اوپر کسی بھی بڑے سے بڑے کے حق کا تخیل قائم کرنا اس کی شان عظمت کے منافی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے اور اس پر کوئی چیز بھی واجب اور ضروری نہیں ہے، پھر بندوں کو اپنی دعا میں بحق فلاں یا بحرمت فلاں کہنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے ويكره ان يقول الرجل فی دعائه بحق فلان يا بحق انبيائك لانه لا حق للمخلوق على الخالق یعنی دعا میں کسی آدمی کا بحق فلاں یا بحق انبیا ئک کہنا مکروہ ہے، کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ پر بندے کے حق کا مطلقاً انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے صریح حدیث کے خلاف اور معارض ہے، صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث میں معاذ بن جبل سے روایت ہے:

قال كنت ردف النبی صلی اللّٰه عليه وسلم على حمار ليس بينی وبينه الا موخرة الرجل فقال يا معاذ هل تدری ما حق اللّٰه علىٰ عباده وما حق العباد على اللّٰه قلت اللّٰه ورسوله اعلم قال فان حق اللّٰه على العباد ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئا وحق العباد على اللّٰه ان لا يعذب من لا يشرك به شيئا قلت يا رسول اللّٰه افلا ابشر به الناس قال لا تبشرهم فيتكلوا. (متفق علیہ)

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حمار پر سوار تھا، میرے اور آپ کے درمیان زین کی

پچھلی لکڑی تھی آپؐ نے فرمایا اے معاذ تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور کیا حق بندوں کا اوپر اللہ کے، حضرت معاذ نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ کریں اور حق بندوں کا اللہ پر یہ ہے کہ جس نے اس کا کسی کو شریک نہیں کیا اس کو عذاب نہ دے، حضرت معاذ نے فرمایا کہ میں اس کی خوشخبری لوگوں کو پہنچادوں، آپ نے فرمایا خوشخبری مت پہنچاؤ وورنہ اسی پر بھروسہ کریں گے۔

اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں پانچ جگہ ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک سے بچنے والوں کو کسی قسم کا عذاب نہ دے گا، اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کا حق اللہ پر ذکر فرماتے ہیں تو بندوں کے حق کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے اور یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ کسی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

حقیقتِ حال یہ ہے لفظ حق متعدد معنی میں آتا ہے، واجب عقلی جس کا ثبوت اور لزوم دلائل عقلیہ قطعیہ سے ہوتا ہو اور اس کا خلاف مستحیل اور ممنوع عقلی ہو۔

معتزلہ چونکہ اصلح للعبد کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب اور ضروری قرار دیتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک اہل توحید کی مغفرت اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے اور اہل سنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے، اس لیے فقہا نے معتزلہ کی تردید میں کہا ہے لا حق للمخلوق علی الخالق کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق واجب اور لازم بلزوم عقلی نہیں۔

ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل توحید کی مغفرت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے لا حق للخلق علی الخالق انہ لا حق لھم وجوبا علی اللّٰہ تعالیٰ لکن اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ جعل لھم حقا فی فضلہ پس ہدایہ میں حق بمعنی واجب عقلی کو منع کیا گیا ہے اور اہل سنت جب دعا میں یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں تو معتزلہ کی طرح واجب عقلی مراد نہیں لیتے بلکہ واجب بفضلہٖ تعالیٰ مراد لیتے ہیں۔ حق کے دوسرے معنی احترام اور بڑائی کے آتے ہیں یعنی وہ چیز جو کہ مرتبہ اور شرف رکھنے والی ہو اور قبولیت سے نوازی گئی ہو، چنانچہ شرح نقایہ جلد ثانی کتاب الکراہتہ ص ۳۳۶ پر ہے اویراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ فیکون من باب الوسیلۃ وقد قال اللّٰہ تعالیٰ وابتغوا الیہ الوسیلۃ الغرض دعا میں جب لفظ حق کہا جاتا ہے تو اس سے واجب عقلی مراد نہیں ہوتا بلکہ ایسے معنی مراد ہوتے ہیں جن سے توسل سمجھا جاتا ہے جو ارجیٰ للاجابۃ ہے۔

علماء کتاب وسنت کا یہ مشہور اور متفقہ مذہب ہے کہ بحرمت فلاں یا ببرکت فلاں، بحق فلاں وغیرہ کے ذریعہ دعا کرنا اور وسیلہ بنانا جائز ہے، حافظ ابن تیمیہؒ اس کو ناجائز فرماتے ہیں، چونکہ فرقہ اہل حدیث وسیلہ کے مسئلہ میں جمہور امت کے خلاف حافظ ابن تیمیہؒ کی اقتدا اور تقلید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعا میں وسیلہ پکڑنا جائز نہیں ہے اور اس بارے میں حدیث ابوداؤد کو پیش کر کے عوام کو مغالطہ دیتے ہیں اور غلط ترجمہ کر کے سمجھاتے ہیں کے اس حدیث میں وسیلہ کی ممانعت کی گئی ہے، اس لیے ہم یہاں حدیث ابوداؤد کو بیان کرتے ہیں، تاکہ واضح ہو جائے کہ اس حدیث میں وسیلہ کی ممانعت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

عن جبیر بن مطعم قال اتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعرابی وقال جھدت الانفس وجاع العیال وھلکت الاموال وھلکت الانعام فستسق اللّٰہ لنا فانا نستشفع باللّٰہ علیك فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سبحان اللّٰہ سبحان اللّٰہ فمازال یسبح حتی عرف ذالك فی وجوہ اصحابہ ثم قال ویحك انہ لا یستشفع باللّٰہ علی احد شان اللّٰہ اعظم من ذالك

ویحك اتدری ما اللّٰہ ان عرشه علی سمٰواته هكذا وقال باصبعه مثل القبة علیه وانه لیاط به اطیط الرحل بالراكب. (رواہ ابو داؤد)

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا کہ لوگوں کی جانیں مشقت میں پڑ گئیں، بچے بھوکے مر گئے، مال تباہ ہو گئے، چوپائے ہلاک ہو گئے، اس لیے اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے بارش کے لیے دعا مانگئے، ہم خدا کے سامنے آپ کی سفارش چاہتے ہیں اور آپ کے سامنے خدا کی سفارش۔ آپؐ اس کی بے جا بات پر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے اور اتنی دیر تک تسبیح فرماتے رہے کہ آپ کے رفقاء کے چہروں پر بھی اس کا اثر محسوس ہونے لگا، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے بیوقوف خدا کی سفارش کسی کے سامنے پیش نہیں کی جاتی اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بالاتر ہے، تو جانتا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کس قدر بلند ہے، اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح قائم ہے اور اس کا نقشہ آپؐ نے اپنی انگلیوں سے قبہ کی شکل بتا کر دکھلایا اور وہ اس کی عظمت سے اس طرح چر چر کر رہا ہے جیسا کہ نیا کجاوہ سوار کے بوجھ سے چر چر کرتا ہے۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

یہاں اس اعرابی نے خدا رسول کا رشتہ دوستی یا اس قسم کا کوئی اور رشتہ سمجھا تھا جس میں ایک دوسرے کو سفارش کا حق ہوتا ہے، اسی لیے اس نے اپنے پرواز خیال کے مطابق خدا کی سفارش رسول کی بارگاہ میں پیش کی تاکہ رسول کی پوری توجہ اپنی درخواست کی جانب مبذول کرے، مگر رسول نے اسے سمجھایا کہ خدا کی ذات اتنی اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کو کسی بڑے سے بڑے کے سامنے سفارش کا تخیل کرنا اس کی شان عظمت کے منافی ہے، سب رسول اسی کے دربار کے سفارشی ہیں اور وہ بھی اس کی اجازت کے بعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اصلاح صرف زبانی نہ تھی بلکہ اس استحضار عظمت کے ساتھ تھی کہ حاضرین کے چہروں پر بھی اس کا اثر نمایاں معلوم ہو رہا تھا، اس حدیث کو وسیلہ کے عدم جواز پر پیش کرنا غلط اور بے جا جسارت ہے۔ فقط والسلام

محمد اسمٰعیل سنبھلی